حصہ دوم

خلافت راشدہ

سنہ ۱۱ھ تا سنہ ۴۰ھ

PDFBOOKSFREE.PK

باب ۱۵

حضرت ابوبکرؓ کا دورِ خلافت ۱۱تا۱۳ھ

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

ان کی ابتدائی مشکلات اور ان کا حل

خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی موزونیت

حضرت ابوبکرؓ کا پورا نام عبداللہ کنیت ابوبکرؓ اور لقب صدّیق تھا۔ آپ قریش کی ایک ممتاز شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں بھی بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ اور اسلام لانے سے پہلے آپ کی راست بازی، معاملہ فہمی، متانت اور سنجیدگی کی شہرت تھی۔ چونکہ آپ طبعاً سلیم الفطرت تھے اور آنحضرتؐ کے ہم عمر بھی، اس لئے بچپن ہی سے طبائع کی یکسانیت کی وجہ سے دونوں میں گہری دوستی تھی، اور دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے۔ اسی لئے جس وقت آنحضرتؐ نے اپنی نبوّت کا اعلان کیا تو آپ بغیر کسی شک و شبہ کے ایمان لے آئے۔ چنانچہ اسلام لانے والوں میں (عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر) آپ کا پہلا

www.pdfbooksfree.pk

نمبر ہے۔ اسلام کے پُرخطر مکّی دَور میں جب مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ آپ ہمیشہ رسُولِ اکرمؐ کے دستِ راست رہے۔ حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ زبیرؓ ابن العوام۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرتِ ابوعبیدہؓ ابن الجراح۔ حضرت سعد بن ابی وقاص آپ ہی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے۔

اسلام کی راہ میں حضرتِ ابوبکرؓ کی مالی قربانیاں بھی یادگار ہیں۔ آپ تاجر تھے اور ہجرت سے پہلے اور بعد آپ کا کپڑے کا وسیع کاروبار تھا۔ آپ نے متعدد غلاموں کو (خصوصاً حضرتِ بلالؓ کو) جو اپنے کافر آقاؤں کے جور و ستم کا نشانہ تھے خرید کر آزاد کرایا۔ مدینہ میں جب آنحضرتؐ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا ارادہ کیا تو حضرتِ ابوبکرؓ نے زمین کی قیمت خود ادا کی۔ جنگِ تبوک کے موقعہ پر جب چندے کی ضرورت پڑی تو آپ نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ آنحضرتؐ کے قدموں پر رکھ دیا۔

اس کے علاوہ آپ کئی اور حیثیتوں سے بھی دوسرے صحابہ سے ممتاز تھے۔ ہجرت کے وقت آں حضرتؐ نے آپ ہی کو واحد رفیق منتخب کیا، حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے آں حضرتؐ نے آپ ہی کو امیرِ حج بنا کر بھیجا، تاکہ یہ اعلان کیا جائے کہ اس کے بعد کوئی مشرک کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھ سکتا۔ وفات سے پہلے جب آں حضرتؐ مسجد میں آنے سے معذور ہوگئے تو آپؐ نے مسجدِ نبوی کی امامت کے لئے حضرتِ ابوبکرؓ

ہی کو منتخب کیا۔ اسلام میں اس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا تھا۔ چونکہ اسلام کا نظام صحیح جمہوریت اور باہمی مشورے پر مبنی ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ حضرتِ ابوبکرؓ کو نامزد کرکے جمہوری اصولوں کو توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کی غیر حاضری میں حضرتِ ابوبکرؓ کی امامت درحقیقت ان کی جانشینی کی طرف کھلا ہُوا اشارہ تھا۔

حضرتِ ابوبکرؓ کا انتخاب

آنحضرتؐ کی وفات سے پہلے ایک بہت ہی نازک صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ آپؐ کی وفات کی خبر سُن کر بہت سے مسلمان مسجدِ نبوی میں جمع ہوگئے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آپؐ واقعی فوت ہوگئے ہیں۔ کیونکہ صبح کی نماز کے وقت آپؐ کی حالت اچھّی تھی۔ حضرتِ عمرؓ نے بھی سمجھا کہ یہ خبر کسی منافق نے اُڑا دی ہے اور اسی لئے آپ تلوار لے کر کھڑے ہوگئے تاکہ اس شرارت کو پھیلنے سے روکا جائے۔ اسی اثنا میں حضرتِ ابوبکرؓ تشریف لے آئے اور سیدھے حضرتِ عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے، جہاں حضورؐ کا جسدِ مبارک تھا۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ واقعی فوت ہو چکے ہیں تو آپ باہر تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے اپنی مشہور تقریر کی:-

"اگر آپ لوگ محمدؐ کی عبادت کرتے تھے تو پھر سمجھ لو کہ آپ فوت ہوگئے اور اگر آپ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تو وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

یہ سُن کر لوگوں کو کچھ تسکین ہوئی۔

www.pdfbooksfree.pk

مدینہ میں ابھی تک منافقین کی جماعت موجود تھی جو اسلام کو زک پہنچانے کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتی تھی۔ چونکہ آنحضرتؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا اس لئے منافقین کو فتنہ انگیزی کا موقعہ مل گیا۔ اور ابھی آپؐ کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے آپؐ کی جانشینی کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ وغیرہ ابھی مسجدِ نبوی ہی میں تھے کہ اطلاع آئی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ (مدینہ میں انصار کا دارالمشورہ) میں جمع ہو کر آں حضرتؐ کے جانشین کا انتخاب کر رہے ہیں۔ یہ موقعہ بہت نازک تھا۔ کیونکہ اگر انصار اپنی جگہ پر کسی کو امیر منتخب کر لیتے جسے عرب کے لوگ قبول نہ کرتے تو اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا۔ سعد بن عبادہ، انصار کے ایک مقتدر رئیس تھے۔ انصار نے ان کے حق میں تقریباً فیصلہ کر ہی لیا تھا کہ حضرتِ ابوبکرؓ کو اطلاع ہو گئی۔ آپ آں حضرتؐ کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر اور حضرتِ عمرؓ اور حضرتِ ابو عبیدہ ابن جراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے۔ حضرتِ عمرؓ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرتِ ابوبکرؓ نے انہیں روک دیا اور خود اٹھے۔ آپؓ نے نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ پہلے انصار کی اسلام کی راہ میں خدمات کا اعتراف کیا لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ عرب سوائے قریش کے کسی اور کو اپنا امیر تسلیم نہیں کریں گے۔ قریش صدیوں سے خانہ کعبہ کے متولی چلے آتے تھے اور دوسرے عرب قبائل پر انہیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ اس لئے عرب قبائل قریش ہی کی قیادت قبول

کرنے پر تیار ہو سکتے تھے۔ اس پر ایک انصاری نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ اس پر حضرتِ عمرؓ نے فرمایا کہ ایک ساتھ دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس سے تو اسلام کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ آخر انصار کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور ان میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا "ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خلافت قریش ہی کا حق ہے۔" جب انصار ہی میں سے ایک جماعت اس بات کی حامی ہو گئی تو انصار خاموش ہو گئے۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے فوراً موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ یہاں موجود ہیں ان دونوں میں سے جس کو چاہو امیر منتخب کر لو۔ یہ سن کر وہ دونوں حضرات کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اے صدیقؓ! آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار کون ہے؟ کیا آپؓ نے آں حضرتؐ کی زندگی میں نماز کی امامت میں ان کی نیابت نہیں کی۔ اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ پہلے ہم بیعت کریں"۔ حضرتِ ابوبکرؓ کو اب بھی کچھ تامل تھا لیکن حضرتِ عمرؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر حضرتِ ابوبکرؓ نے انکار کر دیا تو بات پھر الجھ جائے گی، فوراً آپ کا ہاتھ کھینچ کر بیعت کر لی۔ حضرتِ ابوبکرؓ کی شخصیت اتنی محبوب تھی کہ ان کے انتخاب پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرتِ عمرؓ کی بیعت کے بعد دوسرے مسلمان بھی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور اس طرح یہ نازک ترین مسئلہ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ کی فہم و فراست اور حسنِ تدبر سے سلجھ گیا۔ ورنہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے نتائج کس قدر ہولناک ہوتے۔ حضرتِ

www.pdfbooksfree.pk

علی رضؓ جو آں حضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے
اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے لیکن بعد میں انہوں نے
بھی بیعت کرلی۔ سعد بن عبادہ نے مرتے دم تک بیعت نہ
کی۔ لیکن چونکہ ان کے انکار سے اب کسی فتنہ کے پھیلنے
کا اندیشہ نہ تھا اس لئے حضرتِ ابوبکرؓ نے ان سے تعرض
نہ کیا۔

خطبۂ خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے دوسرے
روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی
بیعت کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا وہ دنیا کی تاریخ میں
ایک انقلابی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے فرمایا:۔
"لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں
تم میں سے بہتر نہیں ہوں اور میرے دل
میں کبھی خلافت یا امارت کی خواہش پیدا نہیں
ہوئی۔ نہ ظاہر نہ پوشیدہ۔ میں نے یہ منصب
صرف اس وجہ سے قبول کیا ہے کہ کوئی فتنہ
نہ برپا ہو، ورنہ جو بار مجھ پر ڈالا گیا ہے۔ میں
اپنے اندر اس کے برداشت کی طاقت نہیں پاتا۔
اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر
میں غلطی پر ہوں تو تم میری اصلاح کرو۔ تم میں
جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے حتی کہ
میں اسے اس کا حق دلوا دوں۔ اور تم میں سے جو قوی
ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ
میں (غصب شدہ) حق اس سے چھین لوں۔ تم

میری اطاعت اس وقت تک کرو جب تک کہ میں
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ اور
اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے
پھر جاؤں تو پھر میری اطاعت تم پر لازم نہیں"
اس خطبے میں آپ نے بعض نہایت اہم اصولِ سیاست بیان
فرمائے ہیں۔ جو صحیح جمہوریت کی روح قرار دیئے جا سکتے ہیں۔
ان کے خطبہ سے مندرجہ ذیل نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں:۔
اوّل: حکومت عوام کی بھلائی کے لئے ہوتی ہے جہاں
تک ہو سکے، عوام کو حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے
لیکن اگر حکومت عوام کی بھلائی کی بجائے انہیں نقصان
کی طرف لے جائے تو عوام کا فرض ہے کہ حکومت کی
اصلاح کریں۔ یعنی حکومت کو اس کی غلطی پر ٹوکا جائے۔
اور اگر وہ ناقابلِ اصلاح ہو تو اسے بدل دیا جائے۔
دوم: آپ نے فرمایا کہ حکومت کا فرض ہے کہ شہریوں
کے حقوق کی نگہداشت کرے، کمزوروں کو ان کا حق دلوائے۔
اور زبردستوں کو زیردستوں کے حقوق پامال کرنے کی اجازت نہ
دے۔ اس معاملہ میں کبھی بڑی سے بڑی شخصیت کا بھی لحاظ
نہ کیا جائے۔ ایک کمزور سے کمزور شخص بھی اپنے حقوق کی
حفاظت کا مطالبہ اتنے ہی زور سے کر سکتا ہے جتنا کہ
ایک با اثر آدمی۔
سوم: آپ کے ارشادِ گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ
ایک اسلامی ریاست میں حکومت کی اطاعت مشروط ہے
حکومت کی اطاعت اسی حد تک ہے جس حد تک کہ حکومت

www.pdfbooksfree.pk

کے احکام کتاب و سنت کے مطابق ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے خلاف کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے احکام بھی نہ مانے جائیں۔

حضرتِ ابوبکرؓ کی مشکلات اور اُن کا حل

حضرتِ ابوبکرؓ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات کے درمیان ہوا۔ ابھی آپ نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی ہی تھی کہ مصائب کے بادل چاروں طرف سے اُمڈ کر آ گئے:-

۱۔ سب سے اہم، عرب قبائل کا ارتداد تھا۔ بہت سے قبائل نے آں حضرتؐ کی زندگی میں اسلام قبول تو کر لیا تھا۔ لیکن ان کے دلوں میں ابھی وہ راسخ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے آپؐ کی وفات کے بعد ہی وہ مرتد ہو گئے۔

۲۔ اس کے ساتھ ہی متعدد جھوٹے مدعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے۔

۳۔ بعض قبائل نے اسلام تو ترک نہ کیا مگر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔

۴۔ ادھر جنگِ موتہ میں اسلامی لشکر کی پسپائی کی وجہ سے شمالی سرحدیں غیر محفوظ ہو گئی تھیں اور اس لئے جنگِ موتہ کا انتقام لینا نہایت ضروری تھا۔

اُسامہ بن زید کی مہم

سب سے پہلے آپ نے جنگِ موتہ کی انتقامی مہم کی طرف توجہ کی۔ یہ مہم حضرتِ ابوبکرؓ کی پختگیٔ عزم کا پہلا امتحان تھی۔ رسولِ اکرمؐ نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے جنگِ موتہ

کے شہیدوں کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ اور اس لشکر کے سردار، زید بن حارث (آپؐ کے آزاد کردہ غلام جو جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے) کے بیٹے اُسامہ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ جیسے مقتدر صحابہ شامل تھے۔ لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہ ہوا تھا کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ کی وفات کی خبر سنتے ہی بہت سے عرب قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے اور ساتھ ہی مدینہ پر حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ یہ وقت اسلام اور ننھی سی اسلامی ریاست کے لئے انتہائی نازک تھا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ کچھ عرصہ کے لئے اُسامہ کے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور پہلے فتنۂ ارتداد کو کچلا جائے۔ لیکن حضرتِ ابوبکرؓ نے بڑی سختی سے اس مشورہ کو رد کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ

"قسم اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ مدینہ میں میں اکیلا رہ گیا ہوں اور مجھے بھیڑیے نوچ کر کھا جائیں گے، جب بھی میں اس لشکر کی روانگی کو ملتوی نہ کروں گا۔"

اس کے بعد بعض صحابہ نے (بقول سر ولیم میور حضرت عمرؓ نے) یہ مشورہ دیا کہ اسامہ کی بجائے جو ایک نوعمر اور ناتجربہ کار شخص ہے کسی اور کو سردار مقرر کر دیا جائے۔ اس پر آپ غصے سے بیتاب ہو گئے اور کہا: "عمرؓ! کیا میں اتنی جرأت کر سکتا ہوں کہ جسے خدا کے رسولؐ نے سردار بنایا ہو اسے معزول کر دوں"۔

بظاہر ایسے نازک وقت میں حضرتِ ابوبکرؓ کا فوج کو روانہ کرنا مصلحت اور تدبیر کے خلاف نظر آتا ہے۔ لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے

www.pdfbooksfree.pk

کہ آپ کے یہ دونوں فیصلے نہایت صحیح تھے۔ حضرت اُسامہ بن زید کے لشکر کو نہ روکنے سے باغی قبائل کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ابھی کافی مضبوط ہیں۔ ورنہ وہ ایسے نازک حالات میں مدینہ سے دُور اتنی بڑی فوج نہ بھیجتے۔ نیز اگر آپ یہ مشورہ قبول کر لیتے اور اس فوج کو نہ بھیجتے تو حکمِ رسول سے سرتابی کی ایک مثال قائم ہو جاتی۔

جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو حضرت ابوبکرؓ خود فوج کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اُسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور آپؓ ان کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اُسامہؓ نے بہتیرا کہا کہ آپ سوار ہو جائیں یا مجھے اُترنے کی اجازت دیں۔ مگر آپ نہ مانے اور جواب دیا: "ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ کیا ہرج ہے اگر میں خدا کے رستے میں تھوڑی دُور چل کر اپنے پاؤں غبار آلود کر لوں۔ جبکہ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔ آپ اُسامہ کے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے جا رہے تھے اور ساتھ ہی اسے جنگ کے متعلق ہدایت دے رہے تھے کہ "خیانت نہ کرنا۔ مال نہ چھپانا۔ غداری سے بچنا۔ کسی کے اعضاء نہ کاٹنا۔ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا کھانے کے علاوہ بے فائدہ جانوروں کو ذبح نہ کرنا۔ اور گوشہ نشین راہبوں اور مذہبی پیشواؤں سے تعرض نہ کرنا"۔

اللہ! اللہ! کیا سنہری اصول ہیں جو آج بھی بطورِ اصولِ جنگ اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی اساس ہو سکتے ہیں۔

اُسامہ کی فوج میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ چونکہ حضرتِ ابوبکرؓ کے مشیر کی حیثیت سے ان کا مدینہ میں رہنا ضروری تھا،

اس لئے حضرتِ ابوبکرؓ نے اپنی ضرورت ظاہر کر کے اسامہ سے درخواست کی کہ وہ حضرتِ عمرؓ کو چھوڑ دیں۔ یہ بھی دراصل جمہوریت کا ایک سبق تھا کہ لشکر کے سپہ سالار سے مشورہ کئے بغیر خلیفہ خود اپنے حکم سے ایک سپاہی کو روک لے۔ اُسامہ چالیس دن کے بعد عرب اور شام کے سرحدی علاقوں کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد مدینہ واپس آگئے ان کے لشکر کا ایک سپاہی بھی ضائع نہ ہوا۔ اس لشکر کے آنے سے حضرتِ ابوبکرؓ کو بہت تقویت ہوئی۔

مدینہ پر حملہ اور باغیوں کو شکست

اسی اثنا میں عرب کے مختلف گوشوں سے قبائل کے ارتداد اور بغاوت کی خبریں آنی شروع ہو گئیں۔ بلکہ باغیوں کا ایک لشکر تو مدینہ کے بالکل قریب جمع ہو گیا۔ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ مدینہ اسلامی فوج سے خالی ہے۔ اس لئے ان کی جانب سے ہر وقت حملے کا خطرہ تھا۔ مدینہ میں جو تھوڑے بہت مسلمان رہ گئے تھے حضرتِ ابوبکرؓ نے ان کو اکٹھا کر لیا اور ان کی مدد سے شہر کی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ ساتھ ہی مدینہ کے قرب وجوار میں جس قدر وفادار اشخاص مل سکتے تھے، انہیں بھی بلا لیا۔ جن جن رستوں سے شہر پر حملہ ہو سکتا تھا۔ وہاں چھوٹے چھوٹے دستے متعین کر دئے اور حضرتِ علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ کو ان دستوں پر مقرر کیا۔ تین دن کے بعد باغی ذوالقصہ (مدینہ سے نجد کی جانب ایک منزل پر ایک مقام) کی جانب سے حملہ آور ہوئے۔ اس حملے کی اطلاع بیرونی محافظ دستوں کے ذریعہ سے فوراً مدینہ پہنچ گئی اور آن کی آن میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا

www.pdfbooksfree.pk

لشکر مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ باغیوں کا خیال تھا کہ مدینہ فوج سے خالی ہو گا لیکن جب مقابلہ کی صورت دیکھی تو پیچھے ہٹ گئے۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے راتوں رات فوج کو جمع کر کے باغیوں پر چھاپہ مارا۔ باغی مقابلہ کی ہمت نہ لا کر تتر بتر ہو گئے۔ آپ ذوالقصہ میں فوج کا ایک دستہ چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے۔

اس چھوٹی سی مہم کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اس سے ایک تو مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ دوسرے مدینہ کے قرب وجوار کے بادیہ نشینوں کو معلوم ہو گیا کہ مدینہ میں مرکزی حکومت کی طاقت اس قدر ہے کہ باقاعدہ فوج کے نہ ہوتے ہوئے بھی مدینہ کی حفاظت کر سکے۔ مدینہ آئندہ ایسے حملوں سے محفوظ ہو گیا۔ تیسرے باغیوں کی اس سرکوبی سے کئی جگہ سے زکوٰۃ آنی شروع ہو گئی جو اس موقعہ پر نہایت ہی مبارک شگون تھا۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت

آں حضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی بلکہ آنحضرتؐ جب مرض الموت میں گرفتار تھے تو آپؐ کی بے مثال کامیابی دیکھ کر کئی جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہو گئے۔ ان میں طلیحہ، اسود عنسی، سجاح اور مسیلمہ کذاب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ طلیحہ بنی اسد کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا قبیلہ ایک دفعہ بیابان میں سے گزر رہا تھا اور پانی نہ ملتا تھا۔ طلیحہ نے ایک جگہ کا پتہ دیا جہاں سے پانی مل گیا۔ اس "معجزے" کی بنا پر طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور بنی اسد کو اپنے تابع بنا لیا بنی طے (حاتم طائی کا قبیلہ) بنی اسد کے حلیف تھے۔ اس لئے وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ قبیلہ غطفان کے بہت سے لوگ بھی ان سے آ ملے۔ اسود عنسی یمن کا باشندہ تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اس نے بھی دعویٰ کیا اور یمن کے سادہ لوح

قبائلیوں کو جادو کے کرشمے دکھا کر اپنا گرویدہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے نجران پر حملہ کر دیا اور وہاں کے مسلمان عامل کو نکال دیا۔ جب اس نے اپنے آپ کو کافی مضبوط دیکھا تو یمن کے دار الحکومت صنعاء پر حملہ کر کے اس کے ایرانی النسل گورنر شہر بن باذان کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اس فتح کے بعد تمام یمن اس کے قبضے میں آ گیا۔ جب آں حضرتؐ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو آپؐ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کیا۔ اس دوران میں یمن کی ایرانی فوج کے ایک سردار فیروز نے شہر بن باذان کی بیوہ (جو اب اسود کی بیوہ تھی) سے مل کر اسود کو قتل کر دیا یہ واقعہ آنحضرتؐ کی وفات سے ایک دو دن پیشتر ہوا تھا۔ جب آنحضرتؐ کی وفات کی خبر یمن پہنچی تو اسود عنسی کے بعض جاسوسوں نے پھر فتنہ برپا کر دیا اور جس شورش کی ابتدا اسود عنسی نے کی تھی وہ بدستور جاری رہی۔

سجاح ایک عیسائی عورت تھی جو قبیلہ بنی تغلب سے تھی۔ بنی تغلب عیسائی تھے۔ جب سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا تو بنی تغلب اور دوسرے عیسائی قبائل اس کے ساتھ مل گئے۔ بنی تمیم کا سردار مالک بن نویرہ بھی ان سے مل گیا۔ لیکن بنی تمیم کے بعض قبائل نے ان کے ساتھ ملنے سے انکار کر دیا۔ یہاں سے سجاح مدینہ کی طرف بڑھی اور مسیلمہ کذاب کے لشکر سے مل گئی۔ سر ولیم میور کا بیان ہے کہ مسیلمہ نے اس سے شادی کر لی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے قبیلہ بنی تغلب میں واپس آ گئی اس کے بعد کے حالات غیر یقینی ہیں۔ ایک روایت ہے کہ وہ حضرتِ معاویہ کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔

ان سب مدعیانِ نبوت میں سب سے خطرناک مسیلمہ تھا۔ یہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب بنی حنیفہ کا وفد اسلام

www.pdfbooksfree.pk

قبول کرنے کے لئے آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مسیلمہ بھی اس وفد میں شامل تھا۔ مسیلمہ نے کہا کہ میں اس شرط پر ایمان لاؤں گا کہ آپؐ مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اسلام کے عوض کھجور کی یہ ٹہنی بھی مجھ سے مانگو تو میں نہ دوں گا۔ مسیلمہ نے واپس جاکر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور آنحضرتؐ کو ایک خط لکھا کہ میں نبوت میں آپؐ کے ساتھ برابر کا شریک کر دیا گیا ہوں۔ لہٰذا آدھی دنیا آپؐ کی ہے اور آدھی میری۔ آپؐ نے جواب بھیجا کہ زمین تو اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہے دیتا ہے اور عاقبت صرف خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ آں حضرتؐ کی بیماری اور بعدازاں وفات نے اس کے حوصلہ کو اور بڑھا دیا۔ یہ شخص قرآنِ پاک کی آیتوں کی نقل میں اُلٹے سیدھے فقرے گھڑ لیتا تھا۔ اور کسی "معجزوں" کا بھی ملک تھا۔ اس لئے بے شمار لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار

ان جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ ہی ایک اور فتنہ نے بھی سر اُٹھایا اور وہ یہ تھا کہ بہت سے قبائل نے اسلام کے دوسرے ارکان (یعنی نماز روزہ وغیرہ کو تسلیم کر لئے مگر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ عرب کے قبائل ہمیشہ سے آزادی کے خوگر رہے ہیں اور ان کے نزدیک زکوٰۃ ایک قسم کا خراج تھا جو کسی حکومت کے ماتحت ہونے کی دلیل تھی۔ ان قبائل نے مدینہ میں اپنے وفد بھیجے کہ ان سے زکوٰۃ نہ وصول کی جائے۔ چونکہ اس وقت مدینہ پر باغیوں کے حملہ کا خطرہ تھا، اس لئے صحابہ کی اکثریت (جن میں حضرتِ عمرؓ بھی شامل تھے) اس بات کے حق میں تھی کہ منکرینِ زکوٰۃ

کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ یعنی فی الحال زکوٰۃ و طلب نہ کی جائے۔ جب وہ اسلام میں راسخ ہو جائیں گے تو خود بخود زکوٰۃ دینے لگیں گے۔ لیکن حضرتِ ابوبکرؓ زکوٰۃ کی رُوح کو سمجھتے تھے، ان کے نزدیک ملّت کی وحدت سب سے مقدم چیز تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اسلام کے بنیادی اصولوں میں رتی بھر بھی تبدیلی کی گئی تو اس سے اور بڑی تبدیلیوں کا دروازہ کھل جائے گا اور اسلام کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ اسلام نے جو نظام قائم کیا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہو کر قومی ضروریات پر خرچ کی جائے۔ یوں بھی زکوٰۃ (دوسرے ٹیکسوں کی عدم موجودگی میں) اسلامی حکومت کے محاصل کا ایک بہت بڑا حصّہ تھی اور اگر آمدنی کا یہ ذریعہ بند ہو جاتا تو اسلامی حکومت کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتیں۔ ان اسباب کی بنا پر آپؓ نے سختی سے اس مشورے کو رد کر دیا اور کہا کہ:-

"خدا کی قسم! اگر یہ لوگ زکوٰۃ کے ایک اونٹ کی رسّی بھی ادا کرنے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔"

آپ کا یہی آہنی عزم تھا جو اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اس بھنور سے نکال لایا۔

جھوٹے مدعیانِ نبوّت کا استیصال اور منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی

یہ ہیں وہ مشکلات جن سے حضرتِ ابوبکرؓ کو نظامِ خلافت سنبھالتے ہی دو چار ہونا پڑا۔ جب ملک کے مختلف حصّوں سے ان جھوٹے مدعیانِ نبوّت کی بغاوتوں کی خبریں مدینہ پہنچنے لگیں تو آپؓ نے ان

www.pdfbooksfree.pk

کے قلع قمع کا پورا تہیہ کرلیا۔ اس وقت تک حضرت اُسامہ کی فوج بھی مظفر و منصور مدینہ واپس آچکی تھی۔ آپ نے کل اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا۔ ہر دستے کا الگ الگ سردار مقرر کیا اور اسے ایک جھنڈا عطا کیا۔ یہ گیارہ دستے ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کئے گئے، ان میں سب سے بڑے دستے کے سردار حضرت خالد بن ولیدؓ تھے جو بنی اسد کے مدعی نبوت طلیحہ کے خلاف بھیجے گئے۔ ابوجہل کے لڑکے عکرمہ کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کی مہم سپرد ہوئی۔ باقی دستے دوسرے مرتد قبائل کے خلاف بھیجے گئے۔ ان دستوں کی روانگی سے پہلے آپ نے باغیوں کے نام ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں انہیں اسلام میں دوبارہ داخل ہونے کی دعوت دی گئی اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ اطاعت اختیار کرلیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد فوج کے سپہ سالاروں کو ہدایت کی کہ وہ نرمی سے کام لیں اور جو انکار کرے، صرف اسی سے جنگ کی جائے۔ جس بستی سے اذان کی آواز آئے اسے مسلمانوں کی بستی سمجھا جائے۔ یہ ہدایت اس لئے دی گئی تھی کہ مرتد قبائل کے بعض حصے باغیوں کے ساتھ شامل نہ ہوئے تھے۔ وہ ابھی تک اسلام پر جمے ہوئے تھے۔ لیکن مدینہ سے ان کے تعلقات منقطع ہو گئے تھے، اذان اس بات کی شناخت تھی کہ وفادار قبائل کون سے ہیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمام قوم کو باغی سمجھا جائے۔

طلیحہ کی شکست اور معافی

حضرت خالد بن ولید سب سے پہلے طلیحہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ طلیحہ کے

دعوئ نبوت پر اس کا قبیلہ بنی اسد اس کے ساتھ ہوگیا تھا اور چونکہ بنی طے اسد کے حلیف تھے، اس لئے وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ طلیحہ نے ایک عظیم الشان لشکر نجد میں چشمۂ بزاخہ کے مقام پر جمع کرلیا۔ اس وقت مدینہ میں قبیلہ طے کے سردار حضرت عدی (حاتم طائی کے بیٹے) موجود تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اپنے قبیلے کو سمجھا بجھا کر اس فتنے سے باز رکھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دی اور ان کی کوششوں سے قبیلہ طے کے تمام آدمی طلیحہ سے علیحدہ ہوگئے۔ حضرت عدی کی کوشش سے ایک اور قبیلہ بنی جدیلہ بھی طلیحہ سے الگ ہوگیا۔ ان دونوں قبیلوں کے ایک ہزار آدمی حضرت خالد کی فوج میں آکر شامل ہوگئے۔ طلیحہ نے بزاخہ کے مقام پر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور شام کی طرف بھاگ گیا اور اس کی ساری فوج منتشر ہوگئی۔ بعد میں وہ توبہ کرکے پھر مسلمان ہوگیا اور عراق کی مہمات میں خوب بہادری دکھائی۔

مالک بن نویرہ کا قتل

یہاں سے فارغ ہوکر حضرت خالدؓ بنی تمیم کی طرف بڑھے ان کا سردار مالک بن نویرہ عیسائی مدعیۂ نبوت سجاح سے مل گیا تھا۔ جب ان لوگوں نے طلیحہ کی شکست کی خبر سنی تو بہت ہراساں ہوئے اور حضرت خالدؓ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے۔ لیکن مالک نہ آیا۔ اپنے قبیلے کے بہت سے آدمیوں کے اطاعت کر لینے کے بعد اس میں مقابلے کی ہمت نہ رہی۔ اس لئے اس نے اپنے لشکر کو منتشر کر دیا اور خود روپوش ہوگیا۔ حضرت خالدؓ نے بعض مسلمانوں کی رائے کے خلاف ان کا

www.pdfbooksfree.pk

تعاقب کیا اور مالک کو بمعہ اس کے چند ساتھیوں کے گرفتار کرلیا۔ رات کے وقت قیدیوں کے حفاظتی دستہ نے حضرتِ خالدؓ کے حکم کی غلط تاویل کر کے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ مالک کے قتل کے بعد حضرتِ خالدؓ نے مالک کی بیوہ سے شادی کرلی۔ بعض صحابہ نے حضرتِ ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ حضرتِ خالدؓ نے مالک کو آپ کے حکم کے خلاف قتل کیا ہے لہٰذا حضرتِ خالدؓ کو سزا دینی چاہیئے۔ شکایت کرنے والوں نے شہادت دی کہ انہوں نے مالک اور اس کے ساتھیوں کو اذان دیتے سنا تھا۔ اس امر نے کہ حضرتِ خالدؓ نے مالک کی بیوہ سے شادی کرلی تھی اس الزام کو اور تقویت پہنچائی۔ حضرت عمرؓ نے حضرتِ ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا کہ خالدؓ کو سخت سزا دی جائے۔ حضرتِ خالدؓ نے اس الزام کے خلاف یہ صفائی پیش کی کہ مالک کے ساتھیوں نے سزا سے بچنے کے لئے اذان دی ورنہ وہ درحقیقت مسلمان نہ تھے۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو اس الزام سے بری قرار دیا لیکن کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ کے دل میں حضرتِ خالدؓ کے خلاف گرہ پڑ گئی۔

مسیلمہ کذاب کا قتل

بنی تمیم کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرتِ ابوبکرؓ کے حکم سے مسیلمہ کی طرف رُخ کیا۔ ابتداءً مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے دو لشکر عکرمہ بن ابو جہل اور شرجیل بن حسنہ کی قیادت میں بھیجے گئے تھے۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے تاکید کی تھی کہ جب تک دونوں فوجیں جمع نہ ہو جائیں مسیلمہ پر چڑھائی نہ کی جائے۔ لیکن عکرمہ نے اس خیال سے کہ کامیابی کا سہرا اس کے سر بندھے، شرجیل

کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ اب حضرتِ خالدؓ کو حکم ملا کہ وہ مسیلمہ کے خلاف جائیں۔ مسیلمہ کو جب حضرتِ خالدؓ کے آنے کی خبر ملی تو وہ چالیس ہزار کی جمعیت لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ یمامہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ شروع شروع میں مرتدین مسلمانوں کو دباتے دباتے حضرتِ خالدؓ کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ لیکن مسلمانوں نے پھر سنبھل کر حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنا سخت تھا کہ دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسیلمہ اپنے سات سو ساتھیوں کے ساتھ اپنے ایک باغ میں جس کا نام اس نے حدیقۃ الرحمٰن رکھا ہوا تھا، پناہ گزین ہوگیا۔ اور باغ کے دروازے بند کروا دیئے۔ ایک انصاری براءؓ بن مالک نے کہا کہ مجھے باغ کی فصیل تک چڑھا دو۔ میں دروازہ کھولنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ وہ فصیل کے اوپر چڑھ کر باغ کے اندر کود گئے اور دشمن کے محافظ دستوں کو کاٹ کر دروازہ کھول دیا۔ باغ کے اندر پھر گھمسان کا رن پڑا اور مسیلمہ اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کی قوم بنی حنیفہ نے چند شرائط پر صلح کر لی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ جب صلح کی تکمیل ہو چکی تھی تو حضرت ابوبکرؓ کا حکم پہنچا کہ بنی حنیفہ کے تمام سپاہی قتل کر دیئے جائیں۔ لیکن چونکہ عہد نامہ مکمل ہو چکا تھا اس لئے حضرتِ خالدؓ اس پر کاربند رہے اس پر بنی حنیفہ کا تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

فتنۂ ارتداد کے اسباب

فتنۂ ارتداد کے سلسلے میں یہی مہمات قابلِ ذکر تھیں۔ دوسری مہمات، یمن، البحرین وغیرہ بھیجی گئیں، لیکن ان کی تفصیلات کی چنداں ضرورت نہیں۔ ان مدعیانِ نبوت کی شکست و ریخت کے

www.pdfbooksfree.pk

بعد باقی تمام قبائل پھر اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے اور ایک سال کے اندر اندر تمام علاقہ جو رسول اکرمؐ کی وفات کے وقت اسلام کے حلقۂ اثر میں شامل تھا۔ پھر مدینہ کے زیرِ اقتدار آ گیا۔ بعض تنگ نظر غیر مسلم مصنّفین نے فتنۂ ارتداد کے اسباب وعلل پر بحث کرتے ہوئے اسے بالکل غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آں حضرتؐ کا تبلیغی مشن ناکام رہا۔ اس لئے آں حضرتؐ کے فوت ہوتے ہی تمام عرب ارتداد کے سیلاب میں بہہ گیا۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے کہ تمام عرب مرتد ہو گیا تھا یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قبائل کی اکثریت اسلام پر قائم رہی۔ وہ صرف زکوٰۃ سے گلو خلاصی چاہتے تھے۔ وہ کیوں ایسا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ جو قبائل مرتد ہو گئے، ان کے ارتداد کے اسباب وہ نہیں جو ان مؤرخین نے بیان کئے ہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔ فتنۂ ارتداد کے اصل اسباب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ عرب کے لوگ آزادی کے بہت دلدادہ تھے اور ابھی تک کسی مرکزی حکومت کے خوگر نہ تھے۔ اسلام نے ان کے قبائلی نظام کو توڑ کر ایک لڑی میں پرو دیا تھا اور ایک مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا تھا۔ وہ اسلام کے مذہبی نظام کے نہیں بلکہ سیاسی نظام کے خلاف تھے اور اس کو وہ اپنی آزادی کے منافی سمجھتے تھے، ان کی نگاہ میں زکوٰۃ ان کی سیاسی غلامی کی نشانی تھی۔ اسی لئے وہ زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام اصولِ دین ماننے کے

لئے تیار تھے۔

۲۔ اس سیلاب کی تند موجوں میں وہی لوگ بہہ نکلے جو اسلام کے مرکز سے دُور تھے یا جنھیں اسلام لائے ہوئے بہت تھوڑا عرصہ گزرا تھا۔ اور جن کو اسلام کی تعلیمات میں پختہ کرنے کا ابھی کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ آں حضرت کا معمول تھا کہ جب کوئی قبیلہ اسلام لاتا تھا تو ان کی مذہبی تعلیم کے لئے ایک دو صحابہ بھیج دیتے تھے۔ لیکن فتح مکّہ کے بعد لوگ اس کثرت سے اسلام لائے کہ ہر ایک قبیلہ کے لئے معلّم بہم پہنچانا مشکل ہو گیا۔ ویسے بھی یہ مصلحت کے خلاف تھا کہ تمام صحابہ مدینہ سے باہر بھیج دئے جائیں اس لئے بعض قبائل کی مذہبی تعلیم ادھوری رہ گئی۔

۳۔ عرب کے بادیہ نشین بالکل اُجڈ اور جاہل تھے اور قرآن اور قرآن سے توحید کے نام سے ناآشنا تھے۔ یہ ایک معجزہ سے کم نہیں کہ اسلام اتنی سرعت سے تمام عرب میں پھیل گیا۔ لیکن ان جاہل لوگوں کو اسلام میں راسخ العقیدہ کرنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔

۴۔ عرب ایک گنجان آباد متمدّن ملک نہیں تھا۔ اس کے لوگ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور اس کی آبادی ریگستانوں اور بیابانوں میں منتشر تھی، ذرائع آمد و رفت بالکل محدود تھے اور ان سب کو فی الفور ایک نظام کے ماتحت نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اس کام کے لئے بھی کچھ عرصہ درکار تھا۔

۵۔ عرب میں ابھی تک یہودی، عیسائی اور مشرکین کافی تعداد میں موجود تھے اور قدرتاً ان کی ہمدردیاں مدعیانِ نبوّت اور

www.pdfbooksfree.pk

فرزندیں کے ساتھ تھیں۔

۹۔ جیسا کہ بعد میں ثابت ہوگا ان مدعیانِ نبوت کی پشت پر بعض بیرونی طاقتوں خصوصاً ایران اور روم کا بھی ہاتھ تھا۔ بحرین کی بغاوت میں باغیوں کی درخواست پر شہنشاہ ایران نے اپنی فوج کا دستہ بھیجا تھا۔ اسی طرح عیسائی مدعیۂ نبوت سجاح وسطِ عرب تک بڑھ کر آگئی تھی اور اس کے ساتھ تقریباً تمام عیسائی قبائل مل گئے تھے۔ اگر کوئی بیرونی طاقت اس کی پشت پر نہ ہوتی تو اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ وسطِ عرب تک بڑھ آتی۔

PDFBOOKSFREE.PK

باب ۱۶

خلافتِ ابوبکرؓ میں اسلام کی ابتدائی فتوحات

فتوحاتِ اسلامی کی ابتدا کے وقت شمال مغربی ایشیا کی سیاسی حالت

قبائلِ عرب کی بغاوت جنگل کی آگ کی طرح شروع ہوئی تھی، اور اسی طرح بجھ بھی گئی۔ ایک سال کے اندر اندر تمام عرب پھر اسلام کے جھنڈے تلے متحد تھا۔ لیکن ابھی اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اس نوزائیدہ مملکت کو اس سے بھی بڑی آزمائش میں ڈالا جائے۔ یہ آزمائش خلافتِ اسلامیہ کی ایران اور روم سے ٹکر تھی۔ اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ عرب کے بے سروسامان قبائل اپنے صحراؤں سے نکل کر ان دو عظیم الشان سلطنتوں کو پاش پاش کر دیں گے۔ لیکن قدرت کو یہ معجزہ بھی دکھانا تھا کہ ان عظیم الشان سلطنتوں کو عرب جیسے ناکارہ ملک سے ذلیل و خوار کرا دے۔

جب اسلام نیم وحشی حالت میں ملکِ عرب کے اندر کفر سے ٹکر لے رہا تھا۔ اس وقت شمال مغربی ایشیا، جنوب مشرقی یورپ اور شمالی افریقہ کی مالک دو سلطنتیں تھیں؛ ایران اور روم۔ قسطنطین اعظم نے پرانی سلطنتِ روما کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مشرقی رومی سلطنت کا پایۂ تخت قسطنطنیہ قرار پایا۔ جو قسطنطین اعظم نے خاص اس مقصد کے لئے آبنائے باسفورس کے دہانے پر آباد کیا تھا۔ بہت جلد قسطنطنیہ روم کا ہم پلہ ہو گیا۔ مشرقی یورپ کے

www.pdfbooksfree.pk

علاوہ ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) شام، فلسطین، مصر اور شمالی افریقہ کا بہت سا حصّہ اس وسیع و عریض مشرقی رومی سلطنت میں شامل تھے۔ جب مغرب میں روما کی سلطنت نہوانی چھڑ رہی تھی تو مشرق میں ایران بھی ساسانی خاندان کے ماتحت ایک طاقت ور سلطنت بن چکا تھا۔ ظہورِ اسلام کے وقت یہ دونوں سلطنتیں مغربی ایشیا کی قسمت کی مالک تھیں۔ عرصۂ دراز سے ان دونوں میں رسّہ کشی جاری تھی۔ کبھی رومی ایرانیوں کو دھکیلتے دھکیلتے دجلہ اور فرات کے کناروں تک پہنچ جاتے تھے، کبھی ایرانیوں کو فتح حاصل ہوتی تھی تو وہ بحیرۂ روم کے ساحل تک بڑھ آتے تھے عین اس وقت جب یہ دونوں طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھیں تو ایک تیسری طاقت کا اظہار ہوا۔ یہ نئی طاقت خلافتِ اسلامیہ تھی جو بجلی فاران کی چوٹیوں پر چمکی تھی وہ اب دجلہ و فرات اور بحیرۂ روم پر گری۔ گو بظاہر یہ دونوں سلطنتیں نصف النہار پر تھیں لیکن درحقیقت باہمی آویزش کی وجہ سے ان کا آفتاب ڈھل چکا تھا۔ اسلام نے عرب قبائل کو شیر و شکر کر کے ایک مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ عنقریب ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے جن سے مجبور ہو کر انہیں دو سلطنتوں سے بیک وقت نبرد آزما ہونا پڑے گا۔

عراق پر فوج کشی کے اسباب

ایرانی عربوں کو بہت ہی حقیر سمجھتے تھے۔ خاص طور پر مسلمانوں اور اسلام کے متعلق جو ان کا رویّہ تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خسرو پرویز نے آنحضرتؐ کے

نامۂ مبارک کو اس بنا پر چاک چاک کر دیا کہ میرا غلام ہو کر مجھے یوں خطاب کرتا ہے اور یمن کے ایرانی گورنر کو حکم دیا تھا کہ اس مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ اس کی وفات کے بعد ایران اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو گیا۔ مسلمانوں کو یہ اندیشہ تھا کہ جس وقت ایرانیوں نے اپنے اندرونی نزاعات سے نجات حاصل کر لی وہ مسلمانوں کی طرف رُخ کریں گے، اس لئے حضرتِ ابوبکرؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ ایران سے متصل عربی سرحدات کو مضبوط کیا جائے۔ ان کا ارادہ مطلقاً یہ نہ تھا کہ عرب کی طبعی سرحدوں کو عبور کیا جائے۔ لیکن بعد میں ایسے حالات پیش آ گئے جس سے مسلمانوں اور ایرانیوں میں ٹھن گئی۔

۲۔ عرب کے شمالی اور مغربی علاقے جو آبادی کے اعتبار سے خالص عرب تھے، ابھی تک ان دو ہمسایہ سلطنتوں کے تصرّف میں تھے، وہاں چھوٹے چھوٹے سلاطین حکومت کرتے تھے جو ایران یا روم کے باجگزار تھے۔ یہ باجگزار سلاطین عرب قبائل کی خانہ جنگی میں مداخلت کرتے رہتے تھے اور ان کی پشت پر ان کے شہنشاہ ہوتے تھے، اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جب بحرین و غیرہ میں بنی بکر نے سر اُٹھایا تو بنی تغلب اور سلاطینِ حیرہ نے جو مذہباً عیسائی تھے۔ مگر سیاسی طور پر ایران کے ماتحت تھے، باغیوں کی امداد کی۔ اس بغاوت میں حصّہ لینے کے لئے ایرانیوں نے اپنی باقاعدہ فوج کے دستے بھیجے۔ یہ ایک ہمسایہ ملک کے اندرونی معاملات میں صریح مداخلت تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بنی بکر کی سرکوبی کے لئے انہی کے ایک سردار مثنّٰی بن حارث کو بھیجا۔ اسلامی لشکر کا مقصد صرف سرحد کی حفاظت

www.pdfbooksfree.pk

کرنا تھا۔ لیکن ان کی ٹکر ایرانی فوج سے ہو گئی جو بنی بکر اور بنی تغلب کی امداد کے لئے پہلے ہی سے یہاں موجود تھی۔ ان سرحدی جھڑپوں نے بڑھتے بڑھتے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی۔

۳۔ گو ہم عصر مؤرخین اس بارے میں خاموش ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سلاطینِ روم و ایران، اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو تشویش کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جیسا کہ سامراجی طاقتوں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ہمسایہ ممالک مضبوط اور متحد ہوں۔ عربوں کا قبائلی نظام شروع ہی سے اس قسم کا تھا کہ وہ متحد نہیں ہو سکتے تھے لیکن جب عرب میں ڈھیلے ڈھالے عرب قبائلی نظام کی جگہ ایک مضبوط مرکزی حکومت نے لے لی تو سلاطینِ ایران اور روم کو فکر پیدا ہوئی کہ کہیں یہ نوزائیدہ مملکت ان کی حریف نہ بن جائے۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں کہ مرتد قبائل کی بغاوت میں روم اور ایران کا ہاتھ ہو۔ اس قیاس کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد وہی علاقے بغاوت سے متاثر ہوئے جو یا تو ان کی سرحدوں سے ملتے تھے یا براہِ راست ان کے زیرِ اثر تھے۔

عراق پر فوج کشی اور فتوحات

۱۔ جنوبی عراق کی مہمات

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایرانی سرحد پر باغی قبائل کی سرکوبی کے لئے حضرتِ ابوبکرؓ نے مثنیٰ بن حارث کو بھیجا تھا۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ مثنیٰ کی ایرانی فوج سے بھی جھڑپیں شروع ہو گئی ہیں تو آپ نے حضرتِ خالدؓ بن ولید کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی عراق کا رُخ

کریں۔ حضرتِ خالدؓ اس وقت تک مسیلمہ کذاب کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ سیدھے عراق روانہ ہو گئے۔ عراق کی سرحد پر پہنچ کر حضرتِ خالدؓ نے ایرانی گورنر ہرمز کو جو اپنے مظالم کی وجہ سے بہت بدنام تھا ایک خط لکھا کہ "یا تو اسلام قبول کرو یا جزیہ دو۔ ورنہ سوائے اپنے پھر کسی کو ملامت نہ کرنا (یعنی آنے والی جنگ کے تم ذمہ دار ہو گے۔) تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنا تم زندگی کے۔"

ہرمز اس خط کو دیکھ کر بہت سٹ پٹایا۔ خط کو تو اس نے شہنشاہِ ایران کے پاس بھیج دیا اور خود مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ وہ اس خیال میں تھا کہ جاہل بدو اس کا کیا مقابلہ کریں گے۔ دونوں فوجوں کا پہلا مقابلہ کاظمیہ کے مقام پر ہوا۔ ہرمز نے حضرت خالدؓ کو تنہا مقابلہ کے لئے للکارا۔ حضرتِ خالدؓ نے اس چیلنج کو منظور کر لیا اور وہ حضرتِ خالدؓ کے ہاتھ سے دست بدست لڑائی میں مارا گیا۔ ہرمز کے قتل کے بعد ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس جنگ میں ایرانیوں کی ایک جماعت نے اس خیال سے کہ میدانِ جنگ میں جم کر لڑیں گے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رکھا تھا۔ مسلمانوں نے جب ان زنجیروں کو اکٹھا کیا تو تقریباً ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔ اس وجہ سے اس لڑائی کو ذات السلاسل بھی کہتے ہیں۔

شہنشاہِ ایران نے ہرمز کا خط پاتے ہی ایک فوج قارن کی سرکردگی میں ہرمز کی امداد کے لئے بھیج دی تھی۔ ابھی یہ فوج راستہ ہی میں تھی کہ قارن کو ہرمز کی شکست اور قتل کی اطلاع ملی۔ قارن اسی مقام پر (جسے عرب مؤرخین مدار یا مذار کہتے ہیں) ٹھہر گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

اور یہیں ہرمز کی بچی کھچی فوج بھی اس سے آکر مل گئی۔ حضرت خالدؓ نے مثنیٰؓ کو اس فوج کے تعاقب کے لئے بھیج دیا تھا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ ایرانیوں کا ایک اور سردار مقابلہ کے لئے آرہا ہے تو آپ نے بھی مدار کا رُخ کیا۔ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو ایرانیوں نے پھر شکست کھائی اور ان کا سپہ سالار قارن بھی مارا گیا۔ جب شہنشاہِ ایران کو اس دوسری شکست کی خبر ملی تو اس نے ایک تیسرے سردار اندازگر کو روانہ کیا اور اس کی امداد کے لئے ایک اور فوج بہمن جادویہ کے ماتحت بھیج دیا۔ اس دفعہ سرحد کے عیسائی قبائل بھی ایرانیوں سے مل گئے۔ ولجہ کے مقام پر ایرانیوں کو پھر شکست ہوئی۔ اندازگر تو مارا گیا لیکن بہمن جادویہ کسی طرح سے بچ کر نکل گیا۔ اب شہنشاہِ ایران نے اس خیال سے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ سرحدی قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارا اور بہمن جادویہ کو ہدایت کی کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ ولجہ کی لڑائی میں بہت سے عیسائی عرب بھی مارے گئے تھے، اس لئے جوشِ انتقام میں بہت سے عیسائی قبائل بھی بہمن جادویہ سے جا کر مل گئے جو موجودہ بصرہ کے قریب اُلیس کے مقام پر اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا۔ پہلے ہی حملے میں عیسائی عربوں کا سردار مارا گیا۔ جس سے ان کے ایرانی مددگار بھی بھاگ گئے اور میدان حضرتِ خالدؓ کے ہاتھ رہا۔

جنگِ اُلیس سے فارغ ہو کر حضرتِ خالدؓ نے حیرہ کا رُخ کیا۔ حیرہ عراق کے عیسائی بادشاہوں کا (جو سلطنتِ ایران کے باجگزار تھے) صدر مقام تھا۔ حضرتِ خالدؓ نے حیرہ پہنچنے کے لئے دریا کا راستہ اختیار کیا۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو حیرہ

کا حکمران ڈر کر بھاگ گیا۔ اور اہلِ شہر نے مقابلہ کی ہمت نہ پا کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم بطور جزیہ دینا قبول کر لیا اہلِ حیرہ نے اس موقعہ پر دستور کے مطابق بہت سے تحفے تحائف بھی پیش کئے۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے ان تحائف کو جزیہ ہی کی مقررہ شدہ رقم میں شمار کیا۔ اس سے اس الزام کی لغویت ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے ایران اور روم پر لوٹ مار کے لئے حملہ کیا۔

مفتوحہ علاقوں سے حضرتِ خالدؓ کا سلوک بہت اچھا تھا۔ فتحِ حیرہ کے بعد آپ نے ان علاقوں کے امن و امان کا انتظام کیا اور جزیہ وغیرہ کی وصولی کے لئے دیانت دار افسر مقرر کئے۔ حضرتِ خالدؓ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے بہت سے سرداروں اور گاؤں کے چوہدریوں نے خود بخود مسلمانوں کی اطاعت کر لی۔ ان مہمات میں مسلمانوں کا دستور تھا کہ وہ عوام سے بالکل تعرض نہیں کرتے تھے جو لوگ جزیہ دینا قبول کرتے تھے ان کو ذمّی کہا جاتا تھا۔ جزیہ کی ادائیگی کے بعد مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے اور وعدہ کرتے تھے کہ اگر وہ ان کی حفاظت نہ کر سکے تو جزیہ کی رقم واپس کر دیں گے۔ مسلمانوں کے لئے فوجی خدمت لازمی تھی۔ لیکن غیر مسلم جزیہ دے کر جبری فوجی خدمت CONSCRIPTION سے سبکدوش ہو جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جبری فوجی بھرتی کے بدلے یہ معمولی سا ٹیکس دینا ان کے لئے بہت آسان تھا۔ بیس برس سے کم اور پچاس برس سے اوپر مرد، عورتیں، اندھے، لولے، لنگڑے اپاہج اور گوشہ نشین مذہبی پیشوا اس ٹیکس سے مستثنےٰ تھے۔ جزیہ کی مقررہ رقم کے علاوہ کسی کو ذمیوں سے ایک پیسہ وصول

www.pdfbooksfree.pk

کرنے کی اجازت نہ تھی۔

ب۔ شمالی عراق کی مہمات

حیرہ کی فتح، عراق کی فتح کی ایک منزل تھی۔ اب دوسری منزل شروع ہوئی۔ جنوبی عراق کا خاطرخواہ انتظام کرنے کے بعد حضرتِ خالدؓ شمالی عراق کی طرف بڑھے۔

اس وقت ایرانی فوجیں انبار (بابل کے نزدیک ایک مقام) سے لے کر شامی سرحد تک جا بجا متعین تھیں۔ انبار کے ایرانی حاکم شہرزاد نے شہر کے گرد خندق کھود رکھی تھی۔ حضرتِ خالدؓ نے حکم دیا کہ فوج کے ناکارہ اونٹوں کو ذبح کر کے، ان سے خندق بھر دی جائے۔ جب یہ کام ہو گیا تو مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ جب ایرانیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے مناسب شرائط پر صلح کر لی۔ فتح انبار کے بعد حضرتِ خالدؓ عین التمر کی جانب بڑھے۔ اس مقام کی حفاظت کے لئے حکومتِ ایران کی طرف سے ایران کے ایک مشہور سردار بہرام چوبیں کا لڑکا مہران مامور تھا۔ عیسائی عرب قبائل (بنی تغلب بنی بکر وغیرہ) بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب مہران نے قلعہ کی فصیل سے اسلامی لشکر کو آتے دیکھا تو وہ بغیر مقابلہ کئے عیسائی عربوں کو ان کی قسمت کے حوالے کر کے خود بھاگ گیا۔ ان عیسائی عربوں نے بہت سخت مقابلہ کیا لیکن حضرت خالدؓ نے ان کے سردار عقہ بن عقہ کو گرفتار کر لیا۔ اس پر عیسائی عربوں نے ہتھیار ڈال دئے۔

عین التمر میں حضرتِ خالدؓ کو عیاض بن غنم کا خط ملا جنہیں حضرتِ ابوبکرؓ نے شمالی عراق کی فتح کے لئے بھیجا ہوا

تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ ابھی تک شمالی عراق میں دومۃ الجندل کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ یہ مقام عیسائی عربوں کی شورش کا مرکز تھا۔ اور یہاں پھر عیسائی عرب قبائل جمع ہو گئے تھے۔ دومۃ الجندل کا ایک طرف سے حضرتِ خالدؓ اور دوسری طرف سے حضرتِ عیاض نے محاصرہ کر لیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد فتح کر لیا۔ چونکہ یہ عیسائی عرب عہد شکنی اور غداری کر چکے تھے اس لئے ان میں سے بہت سے قتل کر دیئے گئے۔ عیسائی عرب دومۃ الجندل سے شکست کھا کر فراض کی طرف ہٹ گئے۔ فراض نہایت اہم مقام تھا۔ یہاں شام، عراق اور جزیرہ (دجلہ اور فرات کا درمیانی علاقہ) کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اس لئے اس کی حفاظت کے لئے رومی، ایرانی اور عیسائی عرب مل گئے۔ یہاں پھر ایک ہولناک جنگ ہوئی۔ جس میں ان تینوں اقوام نے شکست کھائی۔ اب دریائے فرات کے غربی کنارے کا تمام علاقہ مسلمانوں کے تصرف میں تھا۔

اس لئے حضرتِ خالدؓ نے یہاں سے فارغ ہو کر فوج کو حیرہ واپس جانے کا حکم دیا اور خود سیدھے مکۂ معظمہ میں حج کے لئے پہنچے۔ یہ سفر آپ نے اس تیزی سے طے کیا کہ ابھی فوج کا پچھلا حصہ حیرہ میں داخل ہو رہا تھا کہ آپ پھر فوج میں شامل ہو گئے اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ عراق میں فراض آپ کی سب سے آخری فتح تھی۔ فراض سے واپسی پر آپ کو حضرتِ ابوبکرؓ کا حکم ملا کہ عراق کو چھوڑ کر شام کی سرحد کی طرف جاؤ۔ چونکہ اب واقعات کا رُخ عراق سے شام کی طرف بدل جاتا ہے۔ اس لئے ہم شام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

مہماتِ شام

(الف) شام پر فوج کشی کے اسباب

مسلمانوں کی دوسری ہمسایہ سلطنت روم (یعنی قسطنطنیہ) تھی۔ یہ لوگ ایرانیوں کی طرح عربوں کو حقیر تو نہیں سمجھتے تھے۔ مگر یہ بھی اپنے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض و عناد رکھتے تھے۔ چنانچہ رومیوں نے حضرت دحیہ کلبی کو جو آنحضرتؐ کا خط ہرقل کے نام لے کر گئے تھے، واپسی پر لوٹ لیا تھا اور دوسرے سفیر حارث بن عمر کو جو غسانی بادشاہ شرجیل کے نام خط لے کر گئے تھے۔ اسی شرجیل نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ آں حضرتؐ نے حارث کا بدلہ لینے کے لئے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارث کو موتہ کی مہم پر بھیجا تھا جس میں حضرت زید اور حضرت جعفر بن ابوطالب شہید ہو گئے تھے اس کے بعد غسانیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی اور سنہ ۹ھ میں اسی حملے کا تدارک کرنے کے لئے آں حضرتؐ خود تبوک تک تشریف لے گئے۔ لیکن یہ لوگ مقابلے پر نہ آئے اور اس وجہ سے آنحضرتؐ مدینہ واپس آ گئے۔

آنحضرتؐ کی وفات تک ہر وقت رومیوں اور غسانیوں کے حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ جب آپؐ مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو اس وقت جنگِ موتہ کے شہداء کا انتقام لینے کے لئے آپؐ اُسامہ بن زید کو مقرر کر چکے تھے۔ مختصر یہ کہ ظہورِ اسلام کے بعد مسلمانوں اور رومیوں کے تعلقات کافی حد تک کشیدہ ہو چکے تھے۔

اور تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو رومیوں کی طرف سے مطلق اطمینان نہ تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ کسی وقت بھی مدینہ پر حملہ کر بیٹھیں۔ کیونکہ شام کی طرف سے مدینہ پر حملہ کرنا بہ نسبت ایران کے بہت آسان تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ جس طرح ایرانی سرحد مضبوط کی گئی تھی اسی طرح شامی سرحد بھی مضبوط کی جائے۔

ب: شام پر فوج کشی اور اسلامی فتوحات
جنگِ اجنادین سنہ ۱۳ھ

جس وقت حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ابتدائی خلافت میں ایرانی سرحدوں کو مضبوط کرنے کے لئے حضرتِ خالد بن ولید کو عراق بھیجا تو آپ نے اسی وقت ایک اور خالد (خالد بن سعید) کو شامی سرحد کی حفاظت کے لئے روانہ کیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں کا دباؤ زیادہ شدّت اختیار کر گیا۔ اس لئے آپ نے دشمن کی توجہ کو بانٹنے کے لئے شام کے چار مختلف علاقوں پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں۔ ان فوجوں کے کمانڈر یہ تھے:۔
حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجراح حمص کی طرف۔ عمرو ابن العاص فلسطین کی طرف۔ یزید بن ابوسفیان دمشق کی طرف اور شرجیل بن حسنہ اردن کی طرف۔ اُسامہ بن زید کی طرح ان سپہ سالاروں کو بھی روانہ کرتے وقت مفید ہدایات دیں۔

جب ہرقل کو اسلامی افواج کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو اس وقت وہ شام کے مشہور شہر حمص میں مقیم تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ مسلمانوں کی فوج چار حصوں میں منقسم ہے تو اس نے کوشش کی کہ ان کو اکٹھا نہ ہونے دیا جائے، اس لئے اس نے مسلمانوں

www.pdfbooksfree.pk

کی پیش قدمی روکنے کے لئے ہر حصّے کے خلاف دوگنی فوج بھیج دی اور ان سب کے اوپر اپنے بھائی تھیوڈور (بقول عرب مورخین تذارق) کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہؤا کہ ان کی فوج کے ہر حصّہ کے مقابلہ کے لئے کئی گنا رومی فوج آ رہی ہے تو حضرت عمرو ابن العاص کے مشورہ کے مطابق اسلامی فوج یکجا کر دی گئی ہے۔ ہرقل نے یہ دیکھ کر اپنی فوج کو بھی اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ رومیوں کی فوج کی کل تعداد اب مل ملا کر دو لاکھ چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی۔ دونوں فوجیں اجنادین (یا بعض مورخین کے نزدیک یرموک) کے مقام پر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں (مورخین کا آج تک اس بارے میں اتفاق نہیں ہو سکا کہ ہرقل کی افواج سے پہلی بڑی جنگ کس مقام پر لڑی گئی) یرموک ایک چھوٹے سے دریا کا نام ہے جو شام سے نکل کر جنوب مغرب میں دریائے اردن سے مل جاتا ہے۔

رومیوں نے جنگ کے لئے ایک ایسے مقام کو منتخب کیا جس کے دو طرف دریا اور پسِ پشت پہاڑ تھا۔ یہ مقام بہت محفوظ تھا۔ لیکن یہی تدبیر بعد میں ان کے خلاف پڑی۔ مسلمانوں نے رومیوں کے بالمقابل مورچے جما لئے اور رومی فوج کو بالکل محصور کر دیا اور ان کے آنے جانے کا کوئی رستہ نہ رہا۔ دونوں فوجیں تقریباً دو ماہ تک ایک دوسرے کے سامنے پڑی رہیں۔ ہر روز طرفین کے بہادر ایک دوسرے پر حملے کرتے تھے مگر لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلے پر نہیں پہنچتی تھی آخر مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ سے مزید کمک کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ فوراً عراق کو چھوڑ کر شام کا رُخ کریں۔

حضرت خالدؓ نے مثنیٰ کو عراق میں اپنا قائم مقام بنایا۔ اور خود بڑی تیزی سے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور صحرائی راستہ دنوں میں طے کر کے اسلامی فوج سے جا کر مل گئے۔

جب حضرت خالدؓ اجنادین پہنچے تو آپ کو معلوم ہؤا کہ چاروں اسلامی دستے ایک جگہ موجود ہیں لیکن وہ ایک جھنڈے تلے جمع نہیں اور الگ الگ دشمن سے جنگ کرتے ہیں۔ اس صورت میں اندیشہ تھا کہ ایک تو لڑائی طول پکڑ جائے گی اور دوسرے اس سے دشمن کا بھی کچھ نقصان نہ ہو گا۔ کیونکہ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے تجویز پیش کی کہ تمام فوج کو ایک سپہ سالار کے ماتحت کر دیا جائے اور چاروں سپہ سالار باری باری اس کی کمان کریں۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور پہلے دن کے لئے انہی کو امیر منتخب کر لیا۔ دوسرے دن آپ نے فوج کو چالیس دستوں میں تقسیم کیا۔ کچھ دستے قلب میں (فوج کا درمیانی حصّہ۔ قلب یعنی دل) رکھے۔ جن کا سردار حضرت ابوعبیدہؓ کو مقرر کیا اور باقی دستے میمنہ (دائیں بازو) اور میسرہ (بائیں بازو) پر متعین کئے۔ جب لڑائی چھڑی تو حضرت خالدؓ خود قلب کے دستوں کو لے کر دشمن کی فوج میں گھس گئے اور ان کی پیدل فوج اور سواروں کو الگ کر دیا۔ پہلے رومیوں کے سوار دستوں نے شکست کھائی اور بھاگ نکلے۔ ان کی پیدل فوج نے کچھ دیر جم کر مقابلہ کیا لیکن آخر وہ بھی شکست کھا کر بھاگے۔ لیکن جاتے کہاں؟ پشت پر پہاڑ اور سامنے دریا تھا۔ بدحواسی کے عالم میں بہت سے دریا کی طرف بھاگے اور غرق ہو گئے۔ مشہور مورخ طبری نے دریا میں غرق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار بتائی ہے۔ مسلمان کل تین ہزار شہید ہوئے۔ شہداء میں عکرمہ بن ابوجہل اور اس کا لڑکا عمرو بن عکرمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

ان لوگوں نے شہادت کی قسم اُٹھائی تھی اور آخر شہادت کا درجہ حاصل کر کے رہے۔ اس لڑائی میں مسلمان عورتوں نے بھی اپنا ایک الگ دستہ بنا کر جنگ میں حصّہ لیا۔

دوران جنگ میں مدینہ سے ایک قاصد خط لے کر آیا، جس میں حضرت ابوبکرؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کی جانشینی کی اطلاع تھی۔ اس خط میں حضرت خالدؓ کی معزولی اور ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہؓ کی تقرری کے احکام بھی تھے۔ حضرت خالدؓ نے یہ خط خفیہ طور پر حضرت ابوعبیدہ کو دکھلایا لیکن اور کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ تاکہ فوج میں بددلی نہ پھیل جائے۔ جب فتح ہو چکی تو آپ نے خود حضرت ابوعبیدہ کی تقرری کا اعلان کیا اور ان کے ماتحت معمولی سپاہی کی حیثیت سے کام کرنا منظور کر لیا۔

PDFBOOKSFREE.PK

باب ۱۷

حضرتِ ابوبکرؓ کی وفات سنہ ۱۳ھ

اور

خلافتِ صدیقی پر ایک نظر!

حضرت ابوبکرؓ کی بیماری اور وفات ۲۱ر جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ

حضرتِ ابوبکرؓ آنحضرتؐ سے کوئی دو ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ اب وہ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور خلافت کی ذمہ داریوں نے انھیں اور بھی بوڑھا کر دیا تھا، ۷ر جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ کو آپ بخار میں مبتلا ہوئے۔ پندرہ دن تک بخار آتا رہا۔ جب مسجد میں آنے جانے سے معذور ہو گئے تو حضرتِ عمرؓ کو کہا کہ وہ امامت کرائیں۔ جب آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آپ نے حضرتِ عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ آخر پندرہ دن کی علالت کے بعد آپ نے ۲۱ر جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ مدتِ خلافت دو سال تین مہینے دس دن۔ حضرتِ عائشہؓ کے حجرے میں آنحضرتؐ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کے پاس بیت المال کی ایک اونٹنی اور ایک چادر تھی۔ یہ دونوں چیزیں اپنے جانشین

www.pdfbooksfree.pk

حضرت عمرؓ کے پاس بھجوا دیں۔ مرتے وقت وصیت کی کہ میری زمین کا فلاں ٹکڑا بیچ کر وہ ساری رقم جو آج تک میں نے بیت المال سے وصول کی ہے واپس کر دی جائے۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ پرانے کپڑے ہی دھو کر پہنا دینا۔ کیونکہ مُردوں سے زیادہ زندوں کو نئے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ آپ کی وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک دینار تھا۔ جب بیت المال کے امین (خزانچی) سے پوچھا گیا کہ آپ کے زمانۂ خلافت میں کل کتنی رقم بیت المال میں داخل کی گئی تو جواب ملا: "دو لاکھ دینار" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرح آپ کا بھی اصول تھا کہ بیت المال میں جو کچھ آئے فوراً غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ تعلیمِ انسانی کا زندہ نمونہ اور اخلاقِ نبوی کی مجسم تصویر تھے آپ کی سیرت کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ نے سنتِ رسولؐ کو زندہ رکھا۔ آپ نے تمام عمر اس بات کا خاص خیال رکھا کہ کسی بات میں آں حضرتؐ کے اقوال و افعال سے سرِ مو تجاوز نہ کیا جائے۔ آپ نے اطاعتِ رسولؐ کو اس کمال تک پہنچایا کہ جب بڑے بڑے اکابر صحابہ نے اسامہ کے لشکر کو روکنے کا مشورہ دیا تو آپ نے جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ لشکر رسول اللہؐ کے حکم سے تیار ہوا ہے۔ اس طرح آپ نے اُسامہ کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ سادگی اور اخلاص آپ کی زندگی کا سرمایہ تھے۔ آنحضرتؐ کی طرح بادشاہ ہو کر فقیرانہ زندگی کو قائم رکھا۔ باوجود اس قدر دولت مند ہونے کے آپ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ خلیفہ ہو کر آپ اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے تھے۔ بلکہ بسا اوقات دوسروں کی فرمائش بھی پوری کر دیتے تھے۔ خلافت سے قبل آپ کا ذریعۂ معاش تجارت تھا خلیفہ ہونے کے بعد بھی چھ مہینے تک تجارت کرتے رہے۔ ایک دن

حضرت عمرؓ نے آپ کو کپڑے کے تھان اٹھائے ہوئے بازار میں جاتے دیکھ لیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اب آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اس لئے اس کام کو چھوڑ دیجئے۔ آپ نے عیال داری کا عذر کیا۔ آخر صحابہ کے مشورہ سے آپ کے خانگی اخراجات کا حساب لگا کر بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود جب فوت ہوئے تو وصیّت کی کہ آپ کی زمین بیچ کر جتنی رقم آپ نے بیت المال سے بطورِ الاؤنس لی تھی واپس کر دی جائے۔ گویا قوم کی خدمت میں ایک پیسہ لینا بھی گوارا نہ کیا۔

آپ کے علمی کمالات بھی کچھ کم نہ تھے۔ آپ صحابہ میں سب سے بڑھ کر شریعتِ اسلامی کے واقف تھے۔ جب بعض قبائلِ عرب نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا اور حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہ کی رائے تھی کہ منکرینِ زکواۃ سے نرمی برتی جائے تو آپ نے اس مشورے کو بڑی سختی سے رد کر دیا۔ آپ اس نکتے کو سمجھتے تھے کہ زکواۃ کی اصلی غرض و غایت کیا ہے؟ یہ غربا کے پیٹ پالنے کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ اسلام کی مرکزیت کی اساس ہے۔ اگر اسلام کے کسی اصول میں ایک دفعہ رخنہ اندازی کر لی گئی تو بے شمار بدعتوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ علم الانساب (لوگوں کے حسب و نسب یاد رکھنا) عربوں کے نزدیک ایک بڑا ممتاز علم تھا۔ آپ اس کے ماہر مانے جاتے تھے۔ آپ کو شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔ اور کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں شعر بھی کہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ بڑے مؤثر خطیب بھی تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عام مسلمانوں میں جو اضطراب پھیل گیا تھا اُسے آپ ہی کی برمحل تقریر نے دور کیا۔ اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنے کو آپ ہی کی تقریر

www.pdfbooksfree.pk

نے ٹھنڈا کیا۔

خلافتِ صدیقی پر ایک نظر
تاریخِ اسلام میں حضرت ابوبکرؓ کا مقام۔

اگرچہ حضرتِ ابوبکرؓ کی مدتِ خلافت صرف سوا دو سال ہے لیکن اس تھوڑے سے عرصہ میں آپ نے اسلام کی راہ میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ تاریخ کے طالب علم کو تاریخِ اسلام میں آپ کا مقام متعین کرتے وقت کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ بلاشبہ رسولِ اکرمؐ کے بعد آپ اسلام کے سب سے بڑے محسن تھے۔ آپ کے مندرجہ ذیل کارنامے خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ **تحفظِ دین**:۔ اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے اسلام کو فتنۂ ارتداد سے نکال کر از سرِنو زندگی بخشی۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کے لئے مسلمان ہمیشہ آپ کے ممنون رہیں گے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد بہت سے نومسلم عرب قبائل مرتد ہوگئے تھے۔ اور جو مرتد نہیں ہوئے تھے، انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ہر طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے اور خود مدینہ کو باغیوں سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کا چراغ اب گل ہوا۔ ایسے نازک وقت میں حضرتِ عمرؓ جیسے جابر انسان بھی منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف سخت قدم اُٹھانے کے حق میں نہ تھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے آہنی عزم اور قوتِ ایمانی کو کوئی چیز بھی متزلزل نہ کر سکی۔ آپ اسلام کی حقیقی روح سے واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ اگر اس وقت اصولِ

دین میں معمولی سی تبدیلی بھی گوارا کر لی گئی تو اسلام کی صورت مسخ ہوکر رہ جائے گی۔ اور ساتھ ہی اسلام کی وحدت اور مرکزیت کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ ایسے نازک حالات میں آپ نے اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو بچا لیا۔

۲۔ **فتوحات کی ابتدا**:۔ آپ کا دوسرا کارنامہ اسلامی فتوحات کی ابتدا ہے۔ آپ نے نہ صرف تمام عرب کو از سرِنو اسلام کے دائرہ میں داخل کیا بلکہ اس کو وسعت بھی دی۔ آپ ہی کے زمانے میں فتوحات کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو ایک طرف پھیلتا پھیلتا دیوارِ چین تک جا پہنچ گیا اور دوسری طرف اس نے بحرِ اوقیانوس کے قدم چھو لئے اور جس کی رفتار صرف انیسویں صدی میں آکر رُکی۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اپنے وقت کی دو سب سے بڑی طاقتوں سے ٹکر لی اور ان کی جڑوں کو ہلا دیا۔

۳۔ **مالی اور ملکی نظام کی ابتدا**:۔ آپ کا تیسرا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی۔ آپ کے عہد میں زکوٰۃ، خراج، جزیہ، خمس (غنیمت کا پانچواں حصّہ جو حکومت کے مصارف کے لئے الگ کر دیا جاتا تھا) کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوگیا تھا۔ اس لئے آپ کو بیت المال کا شعبہ باقاعدگی سے قائم کرنا پڑا۔ گو بیت المال کی ابتدا آں حضرتؐ کے زمانے میں ہو چکی تھی مگر اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی مستقل عمارت تھی۔ کیونکہ آں حضرتؐ کا اصول تھا کہ بیت المال میں جو کچھ آتا تھا آپ ملکی ضروریات کا خرچ پورا کرنے کے بعد بقایا مال اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیت المال کے لئے ایک عمارت تعمیر کروائی، لیکن آپ نے آنحضرتؐ

www.pdfbooksfree.pk

کا اصول برقرار رکھا اور اس میں کوئی رقم جمع نہ ہونے دی۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ غنیمت وغیرہ کی رقم تقسیم کرنے کے بعد آپ بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی وفات کے بعد بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک دینار نکلا۔ اللہ اللہ! ایک طرف تو یہ عزم کہ زکوٰۃ کے ایک اونٹ کی رسّی نہ دینے پہ جنگ اور دوسری طرف اس کے خرچ میں یہ فراخ دلی کہ اس کا ایک پیسہ بھی بچا کر نہ رکھنا۔

مالی انتظام کے علاوہ آپ نے ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کی انتظامی سہولت کے پیشِ نظر آپ نے تمام عرب کو دس حصّوں میں تقسیم کیا اور ہر حصّے پہ ایک امیر کو مقرّر کیا۔ جس کے ذمہ انتظامِ ملکی کے علاوہ نماز کی امامت، زکوٰۃ کی فراہمی اور مقدمات کی سماعت سپرد تھی عراق اور شام کے مفتوحہ علاقے فوجی حکام کے ہاتھ میں ہی رہنے دے۔ کیونکہ ابھی ان علاقوں پہ پوری طرح تسلّط قائم نہ ہوا تھا۔ آپ حکام کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور تقرّر کے وقت انہیں مفید ہدایات دیتے تھے۔

۴۔ **اسلامی جمہوریت کی ابتدا**:۔ چوتھا عظیم الشان کام جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا وہ اصولِ شوریٰ کا قائم کرنا تھا۔ آں حضرتؐ بھی اہم امور میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ کے بہت سے احکام براہِ راست وحی پہ مبنی ہوتے تھے اِس لئے مشورے کی نوبت کم آتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ چونکہ صرف خلیفہ تھے، پیغمبر نہیں تھے، اس لئے آپ نے یہ اصول قائم کیا کہ جن امور میں قرآنِ پاک یا رسولِ اکرمؐ کا کوئی صریح حکم موجود ہوتا تھا، ان میں مشورہ کی ضرورت نہ سمجھتے تھے البتہ جن امور میں قرآنِ پاک کے صریح احکام یا سنّتِ رسولؐ کا نمونہ

موجود نہ ہوتا۔ آپ بڑے بڑے صحابہ کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے، اور جس بات پر اکثریت کا جھکاؤ دیکھتے، اسی پر عمل کرتے۔

۵۔ **ذمّیوں کے حقوق کی حفاظت**:۔ فتح خیبر وہ اسلامی فتح تھی جس نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم عناصر کا اضافہ کر دیا تھا چونکہ اسلامی حکومت غیر مسلم رعایا کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار تھی اس لئے ان کو اسلامی شریعت کی اصطلاح میں ذمّی کہتے تھے آں حضرتؐ نے اپنی زندگی میں ان کے حقوق متعیّن کر دئے تھے اور وفات کے وقت ان کے حقوق کے تحفّظ کی بڑی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں حیرہ اور شام کے عیسائی بھی خلافتِ اسلامیہ کا جزو بن چکے تھے، اس لئے آپ نے انہیں وہی حقوق عطا فرمائے جو اس سے پہلے آں حضرتؐ کے زمانے میں انہیں عطا ہو چکے تھے۔ مثلاً حیرہ کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ مذہبی آزادی دی گئی۔ ان کو اپنی مذہبی عبادات اور رسومات ادا کرنے کی پوری اجازت تھی۔ ان کو یقین دلایا گیا کہ ان کی کسی مذہبی عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ حتّٰی کہ وہ عمارتیں جن میں بوقتِ ضرورت دشمن کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے تھے" ان کو بھی نہ گرانے کا وعدہ کیا گیا۔ (تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔ اوّل ۱۵۳۔)

۶۔ عہدِ صدّیقی کا ایک بہت بڑا کارنامہ قرآنِ پاک کی کتابی شکل میں تدوین ہے۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ جو نہی کوئی حکم یا سورہ نازل ہوتی تھی۔ آپ کاتبِ وحی کو بتا دیتے تھے۔ کہ اسے فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ اس طرح قرآنِ پاک کے نزول کے ساتھ ساتھ آپ کی ہدایات کے مطابق آیات اور سورتوں کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض صحابہ ان

www.pdfbooksfree.pk

باب ۱۸

حضرتِ عمرؓ کی ابتدائے خلافت

حضرتِ عمرؓ کا انتخاب

جب حضرتِ ابوبکرؓ کے مرض الموت میں شدت ہوئی تو انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ خلافت کے لئے کسی موزوں شخص کو نامزد کر جائیں، تاکہ بعد میں کسی قسم کا نزاع نہ ہو۔ چونکہ آپ نے اپنی غیر حاضری میں حضرتِ عمرؓ ہی کو امامت کے لئے کہا تھا، اس لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن میں حضرتِ عمرؓ کا نام پہلے ہی سے تھا۔ یُوں بھی آپ کے نزدیک حضرتِ عمرؓ خلافت کے لئے موزوں ترین شخص تھے۔ آپ کے مختصر سے دورِ خلافت میں حضرتِ عمرؓ آپ کے دستِ راست رہے تھے اور آپ ان کی اصابتِ رائے اور تدبّر پر بہت بھروسہ کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی آپ نے بڑے بڑے اکابر صحابہ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ سب سے پہلے آپ نے حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرتِ عثمانؓ سے رائے طلب کی انہوں نے آپ کی تجویز سے اتفاق کیا اور کہا عمرؓ بارِ خلافت اُٹھانے کے لئے بہترین شخص ہے۔ ایک دو صحابہ نے اعتراض کیا کہ یُوں تو عمرؓ بہترین شخص ہے لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ "وہ اس لئے سخت ہیں کہ میں نرم ہوں جب خلافت کا بار پڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے"۔ آخر سب نے

pdfbooksfree.blogspot.com

www.pdfbooksfree.pk

حضرتِ عمرؓ کے انتخاب پر اتفاق کیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرتِ عثمان کو بلاکر عمرؓ کی نامزدگی کا اعلان لکھوایا اور اسے مجمعِ عام میں پڑھوایا۔ اس کے بعد آپ ایک شخص کے سہارے سے اپنے بالا خانے پر تشریف لے گئے جس کی کھڑکیاں مسجدِ نبوی میں کھلتی تھیں اور مجمعِ عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں نے اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم میں سے بہترین ہے کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

تمام حاضرین نے اس حسنِ انتخاب کی تائید کی، اس کے بعد آپ حضرتِ عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک انہیں نصیحتیں کرتے رہے۔

حالاتِ قبل از خلافت

آپ کا نام عمرؓ اور آپ کے باپ کا نام خطاب تھا۔ فاروق آپ کا لقب ہے جو آن حضرت کا عطا کردہ تھا۔ آپ آں حضرتؐ کی ولادت سے بارہ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا۔ قریش کی سفارت اور باہمی جھگڑوں میں ثالثی کا عہدہ آپ ہی کے خاندان کے سپرد تھا۔ اسلام لانے سے قبل آپ نے سپہ گری اور فنِ تقریر میں مہارت حاصل کر لی تھی اور جوانی ہی میں اپنی بہادری اور جرأت کے لئے مشہور تھے حضرتِ ابوبکرؓ کی طرح آپ کا ذریعۂ معاش بھی تجارت تھا۔ اور اس سلسلے میں دور دور تک سفر کر چکے تھے۔ بیرونی ملکوں کی سیاحت نے آپ کو وسیع النظر اور معاملہ فہم بنا دیا تھا۔ قبائل کا آپس میں جب کوئی پیچیدہ جھگڑا پیدا ہو جاتا تھا تو آپ ہی سفیر بن کر

جاتے تھے۔

جب آنحضرتؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت عمرؓ اس وقت ستائیس ۲۷ سال کے تھے۔ دیگر عمائدین قریش کی طرح اول اول آپ بھی آنحضرتؐ کی رسالت کے قائل نہ ہوئے بلکہ سختیوں پر اتر آئے۔ ہوتے ہوتے آپ کی مخالفت اس قدر شدت اختیار کرگئی کہ اسلام کے مخالفین میں ابوجہل کے بعد آپ کا نمبر تھا۔ آخر آنحضرتؐ نے دعا کی کہ "اے خدا یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر ابن الخطاب کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر۔ آپؐ کی یہ دعا قبول ہوئی اور یہ سعادت حضرتِ عمرؓ ابن الخطاب کے حصہ میں آئی۔ آپ کا اسلام لانا بھی ایک معجزہ تھا جس کی روئداد اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بے انتہا تقویت ہوئی۔ آپ سے پہلے کم و بیش چالیس افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اب تک علانیہ خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے کی جرأت نہ تھی، بلکہ بعض اشخاص تو اپنے اسلام کا اظہار بھی نہ کر سکتے تھے۔ آپ کے اسلام لانے سے دفعتًہ حالت بدل گئی۔ اور آپ کے اصرار پر پہلی مرتبہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اس جرأت پر آن حضرتؐ نے آپ کو "فاروق" کا خطاب دیا (تاریخِ اسلام شاہ معین الدین اول ۱۵۹)

جب ہجرت شروع ہوئی تو بہت سے مسلمان کافروں کے خوف سے چھپ چھپ کر مکہ سے نکلتے تھے۔ مگر آپ نے مکہ چھوڑنے سے پہلے کعبہ میں نماز ادا کی اور اس کے بعد کافروں کو تبلیغ کی کہ "میں ہجرت کر رہا ہوں، جس کو منظور ہے کہ اس کی ماں اس کی لاش پر نوحہ کرے وہ مجھے اس وادی کے پار آکر روکے" مگر کافروں میں سے کسی کو ہمت نہ پڑی کہ وہ سامنے آئیں۔

www.pdfbooksfree.pk

مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے تمام مشہور جنگوں میں حصّہ لیا۔ جنگِ بدر میں اپنے کئی عزیزوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ جنگِ تبوک میں آپ نے اپنا آدھا مال آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ایثار اور قربانی میں حضرتِ ابوبکرؓ کے بعد آپ ہی کا درجہ تھا۔ آنحضرتؐ بہت سے اہم معاملات میں آپ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور کئی آیاتِ قرآنی آپ ہی کے کسی اہم مسئلہ اُٹھانے پر نازل ہوئیں۔ جنگِ اُحد میں آپ کی بیٹی حفصہ کے خاوند شہید ہو گئے تھے، اس لئے آنحضرتؐ نے آپ کی بیوہ بیٹی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس بنا پر آپ کی آنحضرتؐ سے قرابت داری ہو گئی۔

خلافتِ صدیقی میں بھی آپ حضرتِ ابوبکرؓ کے دستِ راست رہے۔ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو دبانے میں آپ کا بھی ہاتھ تھا۔ آپ ہی نے بیعت میں پہل کر کے اس اختلاف کو ختم کیا۔ حضرتِ ابوبکرؓ آپ کی معاملہ فہمی اور تدبّر کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ جنگ موتہ کے شہیدوں کا انتقام لینے کے لئے جب اُسامہ بن زید کی مہم تیار ہوئی تو آپ بھی بطور سپاہی اس کے لشکر میں شامل تھے لیکن حضرتِ ابوبکرؓ آپ کا مدینہ میں رہنا اتنا ضروری خیال کرتے تھے کہ انہوں نے آپ کے کمانڈر اُسامہ سے اپنی ضروریات کا اظہار کیا اور اسامہ کی اجازت سے آپ کو روک لیا۔ الغرض خلافتِ صدیقی کے مختصر سے دور میں آپ حضرتِ ابوبکرؓ کے مشیرِ خاص رہے اور انہی اوصاف کی بنا پر حضرتِ ابوبکرؓ نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ بیعتِ عامہ کے وقت آپ کا خطبۂ خلافت بہت مختصر تھا، آپ نے فرمایا "عرب کی مثال اس اُونٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو، ساربان کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ وہ اس کو کس طرف لے جا رہا ہے ربِّ کعبہ کی قسم! میں تم کو سیدھے راستے پر لے کر چلوں گا۔"

باب ۱۹

خلافتِ عمرؓ کی فتوحات

فتحِ عراق سنہ ۱۳-۱۴ھ ۔ فتحِ ایران سنہ ۲۱-۲۲ھ

فتحِ عراق کی تکمیل سنہ ۱۳-۱۴ھ

جب حضرتِ عمرؓ نے خلافت کا بار سنبھالا تو اس وقت عراق اور شام کی مہمات جاری تھیں۔ حضرتِ خالدؓ حکمِ صدیقی کے ماتحت عراق سے شام جاتے ہوئے اپنے ساتھ عراق کی آدھی فوج بھی لے گئے تھے۔ اس وقت عراق میں مثنّیٰ بن حارثؓ حضرتِ خالد کے قائم مقام کی حیثیت سے مقیم تھے۔ عراق کا بیشتر حصّہ ابھی تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ مسلمانوں نے صرف اس علاقے کو فتح کیا تھا جو دریائے فرات کے مغرب میں تھا اور بعض لحاظ سے عرب کا ایک حصّہ تھا اور اگر ایرانیوں کو یہ خبط نہ ہوتا کہ وہ عراق جیسے خالص عرب علاقے کو مسلمانوں سے واپس چھین لیں تو غالباً مسلمان دریائے فرات کو بطورِ حدِ فاصل قبول کر لیتے۔ مگر ایرانیوں کو ہوسِ ملک گیری نے چین نہ لینے دیا۔ یہ دیکھ کر عراق میں مسلمانوں کی آدھی جمعیت رہ گئی ہے ایرانیوں نے عراق کو واپس لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور اپنے ایک سردار ہرمز کو دس ہزار فوج دے کر روانہ کر دیا۔

مثنّیٰ نے انتظار کئے بغیر فرات کو عبور کر کے ہرمز کو بابل کے

www.pdfbooksfree.pk

مقام پر شکست دی اور اسے واپس دھکیل دیا۔ لیکن اس بات کا اندیشہ تھا کہ ایرانی پھر نہ حملہ کر دیں۔ اس لئے مثنیٰ نے یہی مناسب سمجھا کہ حضرتِ ابوبکرؓ کو عراق کی نازک صورتِ حال سے خود مطلع کریں، اور مزید امداد کے طالب ہوں۔ جس دن مثنیٰ مدینہ پہنچے وہ حضرتِ ابوبکرؓ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ تاہم آپ نے حضرتِ عمرؓ کو بُلا کر تاکید کی کہ آپ کی وفات مثنیٰ کی امداد میں حارج نہ ہو۔ اس لئے حضرتِ عمرؓ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی۔ آپ کی بیعت کے سلسلہ میں، عرب کے تمام حصّوں کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے' آپ نے انہیں عراق کی مہم میں شرکت کرنے کے لئے ترغیب دی۔ لیکن پہلے پہل ایک شخص بھی اس نیک کام کے لئے تیار نہ ہوا۔ اس وقت یہ خیال عام تھا کہ حضرتِ خالدؓ کی عدم موجودگی میں کسی بڑی کامیابی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ لیکن حضرتِ عمرؓ یہ نہ چاہتے تھے۔ کہ مسلمان کسی خاص شخصیت کو اپنی فتوحات کا دارومدار سمجھ لیں۔ اس لئے آپ نے جہاد کی اہمیت پر تقریر کی' اس تقریر سے عام مسلمانوں میں جوش پھیل گیا اور کئی لوگ عراق جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ چونکہ ابو عبیدہ ثقفی نے سب سے پہلے اپنا نام پیش کیا تھا۔ اس لئے آپ نے انہی کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کر دیا اور مثنیٰ کو ہدایت کی کہ وہ ان کے آنے کا انتظار کریں۔

مسلسل شکستوں نے ایرانیوں کو پھر جذبۂ انتقام پر اُبھارا۔ چونکہ گذشتہ شکستیں ان کی اپنی خانہ جنگی اور باہمی جھگڑوں کا نتیجہ تھیں اس لئے اب کے انہوں نے اپنے تمام اختلافات مٹا دئے اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر لڑنے کا تہیہ کر لیا۔ کافی غور و فکر کے

بعد ملکہ پوران دخت کو تخت نشین کیا گیا اور ایک نامی گرامی جرنیل رستم کو اس کا نائب السلطنت اور سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ ایرانیوں کے قومی جذبات کو اُبھار کر ایران میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ لگا دی اور عراق کے عربوں کو بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ یہ عرب عیسائی تھے۔ لیکن ایران کے باجگزار تھے۔ چند دنوں کے اندر اندر دریائے فرات کے ساحلی علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس اثنا میں رستم نے اپنی فوج کے دو حصّے کر کے ان کو دو مختلف راستوں سے عراق پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ رستم کی فوج کا ایک حصّہ فرات کو عبور کر چکا تھا۔ نمارق کے مقام پر مسلمانوں نے اسے شکست دی اور فرات پار بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ رستم کی فوج کا دوسرا حصّہ ابھی فرات کے اُس پار تھا۔ ابو عبیدہ ثقفی نے دریا کو عبور کر کے ایرانی فوج کے اس حصّہ کو بھی شکست دے دی۔

رستم اپنی فوج کی بربادی کی خبر سُن کر بہت جوش میں آیا اور اب کے اس نے ایک مشہور سردار بہمن جادویہ کے ماتحت ایک اور فوج روانہ کی اور اس فوج کو درفشِ کاویانی بھی عطا کیا۔ جو ایران کا قومی جھنڈا اور فتح کا نشان تھا اور خاص خاص موقعوں پر حصولِ برکت کی خاطر نکالا جاتا تھا۔ بہمن' فرات کے کنارے پر آ کر خیمہ زن ہوا اور مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ یا تم دریا پار کر کے ادھر آؤ یا ہم اُدھر آتے ہیں۔ مسلمان افسروں کی اکثریت اس بات کے خلاف تھی کہ دریا کے پار جنگ لڑی جائے۔ لیکن ابو عبیدہ ثقفی اس سے پہلے بھی دریا عبور کر کے ایرانیوں کو شکست دے چکا تھا۔ اس لئے اس نے اکثریت کے فیصلے

www.pdfbooksfree.pk

کو ٹھکرا دیا، اور ایرانیوں کا چیلنج منظور کر کے دریا کے پار اُتر گیا۔ جسر کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اتفاق سے میدانِ جنگ بہت تنگ تھا جس کی وجہ سے عرب شہسوار دستے اپنے اپنے شہرہ آفاق طریقے استعمال نہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ایرانی فوج میں بڑے بڑے دیو ہیکل ہاتھی تھے۔ جن سے عرب گھوڑے ڈر گئے۔ عرب شہسواروں نے گھوڑوں سے اُتر کر ہاتھیوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن اس کوشش میں ابوعبیدہ کو خود ایک بڑے ہاتھی نے روند دیا۔ اسلامی فوج گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس اثنا میں کسی شخص نے یہ خیال کر کے کہ پُل کے نہ ہوتے ہوئے اسلامی فوج پھر پلٹ کر مقابلہ کرے گی، کشتیوں کا پُل کاٹ دیا۔ چونکہ پُل نہیں تھا اس لئے چار ہزار مسلمان دریا میں غرق ہو گئے۔ باقی تین ہزار بھی تباہ ہو جاتے اگر مثنیٰ آگے بڑھ کر پُل پھر تیار نہ کراتے۔ جب تک پُل تیار ہوتا تھا وہ ایرانیوں کی فوج کے آگے سدِ سکندری بن کر جم گئے۔ اس موقعہ پر مثنیٰ نے بہت بہادری دکھلائی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تمام اسلامی فوج غرق ہو گئی ہوتی۔

اس شکست کی اطلاع جب حضرت عمرؓ کو ہوئی تو حضرت عمرؓ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے ایک اور تازہ دم فوج عراق کی حفاظت کے لئے روانہ کی۔ چونکہ اب قومی عزت اور ملک کی حفاظت کا خیال تھا اس لئے عیسائی عرب بھی مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے۔ ادھر ایرانی ملکہ اور اس کے نائب السلطنت رستم نے مہران نامی ایک سپہ سالار کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے منتخب کیا۔ مہران، عرب میں رہ چکا تھا اور عربوں کے طریقۂ جنگ سے خوب واقف تھا۔ مہران کی فوج میں خاص شاہی

فوج کے بارہ ہزار منتخب سپاہی بھی بھیجے گئے۔ مثنیٰ نے ابوعبیدہ ثقفی کی غلطی نہ دُہرائی۔ بلکہ فرات کے اس طرف رہ کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مہران فرات کو عبور کر کے بویب کے مقام پر اسلامی فوج پر حملہ آور ہوا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ گذشتہ جنگ میں جن مسلمانوں نے پیٹھ دکھائی تھی اب انہوں نے اس بدنامی کے داغ کو دھونے کی قسم کھائی۔ اس معرکے میں وہ اس بے جگری سے لڑے کہ تقریباً سب کے سب شہید ہو گئے۔ اس جنگ میں عیسائی عربوں نے بھی بڑی بہادری دکھلائی اور انہی کے ایک نوجوان نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ فرات کے پُل پر پہنچ گئے اور ان کی تیغِ خون آشام سے بہت کم ایرانی بچ سکے۔ معرکۂ بویب کے بعد مسلمانوں نے پھر اپنے کھوئے ہوئے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

مسلمانوں نے اب عراق پر دوسری بار قبضہ کیا تھا۔ اس پر ایران میں انتقام کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ ایرانی مدبرین کا خیال تھا کہ ایرانیوں کی پیہم شکستیں اس بات کا نتیجہ تھیں کہ ایران کے تخت پر ایک عورت (ملکہ پوران دخت) متمکن تھی جو ایرانی امراء کی باہمی ناچاقیوں کو دبا نہیں سکتی تھی۔ اس لئے متفقہ فیصلہ ہوا کہ پوران دخت کی جگہ کسی مرد کو تخت پر بٹھایا جائے اور رستم اور اس کے حریف فیروز کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے اختلافات کو دور کر دیں۔ ورنہ ان دونوں کا خاتمہ کیا جائے لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ خسرو پرویز کے بعد مدعیانِ تخت و تاجِ کسریٰ کے تمام خاندان کا تقریباً صفایا کر چکے تھے۔ آخر بڑی تلاش کے بعد یزدجرد (یا یزدگرد) ایک سولہ سالہ نوجوان کو تخت پر بٹھایا گیا اور مسلمانوں کو عراق سے تیسری بار نکالنے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ اندرونی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقہ میں پھر

www.pdfbooksfree.pk

بغاوت پھیلائی گئی اور ایک دفعہ پھر مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مثنیٰ دُور تک عرب کی پہلی سرحد کی طرف ہٹ آئے اور فوراً حضرتِ عمرؓ کو نازک صورتِ حال کی اطلاع ملی۔

جنگِ قادسیہ ۱۴ھ

(الف) ابتدائی) حضرت عمرؓ کو ایک بار پھر جہاد کا اعلان کرنا پڑا اس بار آپ کی دعوت پر سارا عرب اُمڈ آیا اور آن کی آن میں مجاہدین کا ایک اور لشکر تیار ہوگیا۔ آپ خود اس لشکر کی کمان سنبھالنا چاہتے تھے مگر اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ کا مدینہ چھوڑنا مناسب نہیں۔ اس لئے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے سپہ سالارِ اعظم مقرر کرکے تیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت سعد ایک بہادر سپاہی تھے اور آں حضرتؐ کے زمانے میں کارہائے نمایاں سرانجام دے چکے تھے۔ مگر حضرتِ عمرؓ کو ان کی جنگی قابلیت پر اعتماد نہ تھا، اس لئے بیشتر جنگی چالیں اور فوجوں کی نقل و حرکت اپنے ہاتھ میں رکھی اور سعد کو ہدایت کی کہ وہ ہر منزل اور ہر مقام کا مفصل نقشہ اور حالات لکھ کر بھیجا کریں۔ آپ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ حضرتِ سعد بن ابی وقاص کے پہنچنے سے پیشتر عراق کی بیشتر مہمات کے ہیرو اور حضرتِ خالد بن ولید کے نائب مثنیٰ بن حارث ان زخموں سے جو انہوں نے معرکۂ جسر میں کھائے تھے، فوت ہو چکے تھے۔ مثنیٰ مرتے وقت وصیت کر گئے تھے کہ جنگ ایرانی سرحد کے اندر لڑی جائے لیکن میدان عربی سرحد سے دُور نہ ہو۔ تاکہ فتح کی

صورت میں آسانی سے آگے بڑھ سکیں اور اگر شکست ہو تو اپنے ملک میں محفوظ رہیں۔ حضرتِ عمرؓ بھی مرحوم مثنیٰ کے اس مشورے سے متفق تھے اس لئے آپ نے سعد کو ہدایت کی کہ وہ قادسیہ کے میدان میں جا کر ٹھہریں۔ یہ جگہ ایران کے پایۂ تخت مدائن سے جو دجلہ کے اس پار تھا۔ تین منزل یعنی تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر تھی۔ حضرت سعدؓ نے قادسیہ پہنچ کر قیام کیا اور اپنے دستوں کو ترتیب دے کر دشمن کے انتظار میں مورچہ بند ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر حضرتِ عمرؓ کا حکم نامہ ملا کہ جنگ سے پہلے یزدجرد کو اسلام کی دعوت دی جائے۔

اس حکم کے مطابق حضرت سعدؓ نے بیس آدمیوں کی ایک سفارت یزدجرد کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ لوگ مدائن پہنچے تو یزدجرد نے ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنا دربار خوب سجایا ہوا تھا۔ یہ لوگ عربی لباس پہنے اور شانوں پر کمانیں لٹکائے ہوئے یزدجرد کے دربار ہال میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ یزدجرد اور اس کے درباری مسلمانوں کی وضع قطع دیکھ کر خوف زدہ سے ہو گئے۔ شہنشاہ نے ترجمان کے ذریعہ سے پوچھا کہ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں گھس آئے ہو۔ تم تو ایک بہت ہی حقیر و ذلیل قوم تھے تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی۔ سفارت کے لیڈر نے جواب دیا کہ واقعی ہم ایسے ہی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر مہربانی کی اور ہمارے درمیان ایک نبی کو بھیجا، جس نے ہمیں سیدھے راستہ پر لگا دیا۔ اگر تم چاہو تو تم بھی اس سیدھے راستے کو اختیار کر سکتے ہو۔ لیکن اگر تمہیں یہ بات منظور نہیں تو پھر بغیر خراج لئے ہم تم سے صلح نہیں کر سکتے۔ ہمارے پیغمبر کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمہارے ملک کے وارث ہوں گے۔ یہ تقریر سن کر یزدگرد آپے سے باہر ہو گیا اور کہا کہ اگر تمہیں سفیر کی حیثیت سے امان نہ

www.pdfbooksfree.pk

ملی ہوتی تو میں تم سب کو قتل کر دیتا۔ تم ہمارے ملک پر قابض ہوتے آئے ہو، تو ہمارے ملک میں تمہارا یہ حصّہ ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے مٹی سے بھرا ہوا ایک بورا سفارت کے رہنما کے سر پہ رکھ دیا اور ان کو مدائن سے نکال دیا۔ جب یہ لوگ حضرتِ سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مدائن کی مٹی پیش کرتے ہوئے کہا کہ مبارک ہو دشمن نے خود اپنے ملک کی زمین ہمارے حوالے کر دی ہے۔

یزدجرد کا پیمانۂ صبر اب لبریز ہو چکا تھا۔ اسلامی لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے اِدھر اُدھر پھیل کر دشمن کے علاقے کو ویران کر رہے تھے۔ آخر اس نے رستم کو حکم دیا کہ وہ اسلامی فوج کا قلع قمع کر دے۔ رستم اب تک ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔ اس تاخیر سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان خود بخود اُکتا کر چلے جائیں گے۔ لیکن یزدجرد کے پیہم اصرار پر اسے مقابلہ کے لئے نکلنا پڑا۔ جب وہ قادسیہ کے بالمقابل پہنچا تو اس کے پاس کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی مسلمانوں کی مجموعی تعداد سے چار گنا زیادہ۔ لیکن اتنے لاؤ لشکر کے باوجود وہ جنگ سے گریز کر رہا تھا۔ اس نے حضرتِ سعدؓ کو کہلا بھیجا کہ مصالحت کے لئے پھر گفتگو کی جائے۔ حضرتِ سعدؓ نے اس کو منظور کر لیا اور آپ نے رستم کے پاس تین سفیر بھیجے۔ یزدجرد کی طرح رستم نے بھی مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے دربار کو خوب ٹھاٹھ سے سجایا ہوا تھا اس نے ان کو آکر کہا کہ "اگر تم بھوک اور افلاس سے تنگ آکر ہمارے ملک پر حملہ کر رہے ہو تو ہم تمہیں اتنا کچھ دینے کے لئے تیار ہیں کہ تمہارا پیٹ بھر جائے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور خواہش ہے تو وہ بھی پوری کر دی جائے گی"۔ مسلمان سفیروں نے اس کو بھی اسی قسم کا جواب دیا جو

وہ اس سے پہلے یزدجرد کو دے چکے تھے۔ آخر رستم آگ بگولا ہو گیا اور دھمکی دی کہ کل غروبِ آفتاب سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ رستم کے لئے جنگ اب ناگزیر تھی، اس لئے حملہ کرنے میں اسی نے پہل کی۔

ب:۔ معرکہ قادسیہ۔ محرم سنہ ۱۴ھ

مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک بہت بڑی نہر حائل تھی جو دریائے فرات کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس نہر پر صرف ایک ہی پُل تھا اور وہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ رستم نے راتوں رات نہر کو ایک اور جگہ سے پاٹ کر اپنی فوج کو دوسری طرف اتار دیا۔ وہ اپنے بیٹھنے کے لئے ایک تختِ زرنگار لایا تھا۔ یہ تخت ایک شامیانے کے نیچے لبِ دریا بچھا دیا گیا، اور رستم بڑی شان سے اس پر جلوہ افروز ہوا۔ دار الحکومت تک خبریں پہنچانے کے لئے اس نے یہ اہتمام کیا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پہ ہرکارے بٹھا دئے جو لڑائی کے لحظہ بہ لحظہ بدلتے ہوئے حالات بلند آواز سے ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے اور اس طرح یہ سلسلہ یزدجرد کے محل پر جا کر ختم ہوتا تھا اور اسے ہر وقت تازہ خبریں مل سکتی تھیں۔ ادھر حضرتِ سعد بن ابی وقاصؓ عین اس موقعہ پہ بیمار ہو گئے اور آپ کے لئے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے آپ اپنی فوجوں کی بذاتِ خود کمان نہ کر سکے۔ میدانِ جنگ کے کنارے ایرانی شہنشاہوں کا ایک شکستہ سا محل تھا جہاں سے میدانِ جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا، آپ اس کی چھت پہ بیٹھ گئے اور اپنے ایک افسر خالد بن عرفطہ کو نیچے کھڑا کیا، آپ کو جو حکم دینا ہوتا تھا، پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر نیچے پھینکتے تھے اور خالد بھی

www.pdfbooksfree.pk

ہدایات فوجی حکام تک پہنچاتے تھے۔

جب دونوں فوجیں اپنی صفوں کو ترتیب دے چکیں تو جنگ شروع ہوئی دستور کے مطابق سب سے پہلے دونوں طرف کے بہادر انفرادی طور پر دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اس انفرادی لڑائی میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ نمازِ ظہر کے بعد عام حملہ شروع ہوا۔ ایرانیوں نے اپنی طرف سے ہاتھیوں کے ریلے کو آگے بڑھایا۔ مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بھاگنے لگے اور سواروں کے ساتھ پیدل فوج کے بھی پاؤں اکھڑنے لگے۔ اسلامی فوج کے ایک حصّہ نے جس میں زیادہ تر بنی اسد کے آدمی تھے، ہاتھیوں کے ریلے کو روکنا چاہا لیکن ان کالی بلاؤں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی اور ان کے تقریباً چار سو آدمی روندے گئے۔ حضرتِ سعد بن ابی وقاص نے بنی تمیم کو (جو تیر اندازی کے لئے مشہور تھے) کہا، کہ اسلامی فوج کو ان کالی بلاؤں سے نجات دلائی جائے۔ بنی تمیم نے اپنے تیروں سے ہاتھیوں کے مہاوت چھلنی کر دئے اور ان کے ہودے اُلٹ دئے۔ جب ہاتھیوں کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہ رہا تو وہ خود بخود پیچھے بھاگ گئے۔ لڑائی رات گئے تک جاری رہی لیکن کسی فیصلہ کن مرحلے تک نہ پہنچی۔ عرب اس پہلے دن کی لڑائی کو یوم الارماث کہتے ہیں۔ اس دن بظاہر ایرانی غالب نظر آتے تھے۔

دوسرے دن پھر گھمسان کا رن پڑا۔ اسی اثنا میں شام کی طرف سے وہ فوج جو حضرتِ خالدؓ عراق سے لے گئے تھے۔ حضرتِ عمرؓ کے فرمان کے مطابق آ گئی۔ یہ فوج عین وقت پر پہنچی اور تائیدِ غیبی سمجھی گئی۔ اس امدادی فوج کے سردار نے یہ ترکیب کی۔ اپنی چھوٹی سی فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر دیا۔ جب ایک دستہ حضرتِ سعد

کی فوج سے آکر مِل جاتا تھا تو دوسرا نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن ان دستوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر مسلمانوں کو مزید کمک پہنچنے سے رُعب چھا گیا۔ شام کی فوجوں نے ایک اور ترکیب یہ کی کہ اپنے اونٹوں کو برقعے اور جھولیں پہنا کر اس قدر مہیب بنا دیا کہ جس طرف یہ عجیب الخلقت جانور رُخ کرتے تھے، ایرانیوں کے گھوڑے بے قابو ہو جاتے تھے۔ دوسرے دن ان اونٹوں نے ایرانی فوج میں وہی تباہی مچائی جو پہلے دن اسلامی فوج میں ہاتھیوں نے مچائی تھی۔ دوسرے دن کی لڑائی کا سب سے مشہور واقعہ ابو محجن ثقفی کے بہادرانہ کارنامے ہیں۔ ابو محجن بڑے بہادر صحابی تھے، لیکن حضرت سعدؓ نے انہیں شراب پینے کے الزام میں اپنے ہی خیمہ میں قید کر رکھا تھا۔ یہاں حضرتِ سعد کی بیوی ان پر نگران تھی۔ ابو محجن اپنے زندان سے لڑائی کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھ رہے تھے اور جوشِ جہاد سے بے تاب ہو رہے تھے، آخر ان سے نہ رہا گیا، انہوں نے حضرتِ سعدؓ کی بیوی سے درخواست کی کہ مجھے لڑائی میں حصّہ لینے کے لئے چھوڑ دو۔ اگر زندہ بچا تو واپس آکر خود بیڑیاں پہن لوں گا۔ حضرتِ سعد کی بیوی نے اس شرط پر ابو محجن کو رہا کر دیا۔ وہ حضرتِ سعد کے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن پر بجلی کی طرح گرے اور آن کی آن میں ان کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ لوگ حیران تھے کہ یہ شخص کون ہے۔ حضرتِ سعدؓ کو اپنا گھوڑا دیکھ کر شبہ تو ہوا کہ ممکن ہے یہ ابو محجن ہو لیکن ساتھ ہی یقین تھا کہ ابو محجن قید میں ہے۔ جب شام ہوئی تو ابو محجن نے خود آکر بیڑیاں پہن لیں۔ جب حضرتِ سعدؓ کو سب کیفیت معلوم ہوئی تو انہوں نے ابو محجن کو رہا کر دیا۔ انہوں نے بھی قسم کھائی کہ آئندہ شراب نہ پیئں گا

www.pdfbooksfree.pk

دوسرے دن کا مقابلہ پہلے دن سے بھی سخت تھا۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس دوسرے دن کو عرب یوم الاغواث کہتے ہیں۔

تیسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی تو ہاتھیوں کی مصیبت پھر سامنے تھی۔ مسلمانوں نے اونٹوں کو جھول وغیرہ پہنا کر ہاتھیوں کا جواب تو پیدا کیا لیکن ان میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ اونٹوں سے تو صرف گھوڑے ڈرتے تھے لیکن ہاتھی جس طرف کا رُخ کرتے تھے گھوڑے اور سوار دونوں کو کچل دیتے تھے۔ حضرتِ سعدؓ نے شامی فوج کے سالار قعقاع کو بلا کر پوچھا کہ ان کالی بلاؤں سے چھٹکارے کی کیا ترکیب ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دئے جائیں۔ قعقاع نے سب سے بڑے ہاتھی کی سونڈ منک سے الگ کر دی۔ وہ درد کی شدت سے نہر کی طرف بھاگا اور دوسرے ہاتھی بھی اس کے پیچھے ہو لئے اور آن کی آن میں ایرانیوں کی صفیں روندتے ہوئے نکل گئے۔ جب یہ دیوارِ آہن ٹوٹ گئی تو مسلمانوں کو کھل کر اپنی تلواروں کے جوہر آزمانے کا موقع ملا۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ لڑائی کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی اس وجہ سے اس رات کا نام لیلۃ الہریر (شور وغل کی رات) پڑ گیا۔ اس دن کو عرب "یوم العماس" کہتے ہیں جب صبح ہوئی تو لڑائی کا فیصلہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ دوپہر تک ایرانی فوج کے دونوں بازو شکست کھا کر ٹوٹ گئے۔

رستم اپنے تخت سے اُتر آیا اور خود فوج کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن آخر کار زخمی ہو کر نہر کی طرف بھاگا اور چاہا کہ تیر کر اس پار نکل جائے لیکن ایک مسلمان نے پانی میں سے نکال کر قتل کر دیا۔ رستم کے قتل کے بعد لڑائی اختتام پر تھی۔ اس

کے قتل ہوتے ہی ایرانیوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس لڑائی میں چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ ایرانیوں کے نقصان کا کوئی اندازہ نہیں۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں ایرانیوں کا قومی جھنڈا درفشِ کاویانی بھی ہاتھ آیا۔ یہ جھنڈا دراصل ایک لوہار کاوہ کی دھونکنی تھی۔ کاوہ نے اپنی دھونکنی کو جھنڈا بنا کر ایک غیر ملکی غاصب ضحاک کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے اس کے قتل کے بعد فریدوں کو تخت پر بٹھایا تھا۔ اس وقت سے یہ دھونکنی والا جھنڈا ایران کا قومی نشان قرار پایا اور اس کا نام درفش کاویانی پڑ گیا۔ یہ جھنڈا بہت مبارک خیال کیا جاتا تھا۔ فریدوں کے جانشینوں نے اس پر سینکڑوں ہیرے اور یاقوت وغیرہ جڑ دئے تھے۔

جس دن سے جنگِ قادسیہ شروع ہوئی تھی حضرتِ عمرؓ اس کے متعلق بہت فکرمند رہتے تھے اور ہر روز صبح قاصد کے انتظار میں مدینہ سے باہر نکل جاتے اور دوپہر کو واپس آ جاتے تھے۔ ایک دن آپ حسبِ معمول قاصد کے انتظار میں تھے کہ ناقہ سوار حضرتِ سعد کا فتح نامہ لئے ہوئے مل گیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ امیرالمومنین ہیں۔ اس لئے وہ سوار ہی رہا۔ آپ اس کے ساتھ پیدل چلتے جاتے تھے اور لڑائی کے حالات پُوچھتے جاتے تھے۔ اسی حالت میں دونوں شہر کے اندر داخل ہوئے۔ جب ناقہ سوار نے دیکھا کہ سب لوگ حضرتِ عمرؓ کو امیرالمؤمنین کہہ کر سلام کر رہے ہیں تو وہ بہت سراسیمہ ہوا اور گزارش کی کہ آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا تاکہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ فرمایا کچھ حرج نہیں۔ تم اپنا سلسلۂ کلام نہ توڑو۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر آپ نے جب مجمع عام میں قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنائی تو اس وقت ایک تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:-

www.pdfbooksfree.pk

"مسلمانو! میں تمہارا بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بناؤں، میں تو خود خدا کا غلام ہوں، البتہ خلافت کا بارِ گراں میرے اوپر ڈالا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکوں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔ اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری بدبختی ہے۔"

جنگِ قادسیہ کی اہمیت

جنگِ قادسیہ دُنیا کی فیصلہ کن لڑائیوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایرانیوں نے اس کے بعد بھی کئی جگہوں پر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو ایران کی فتح کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑا۔ لیکن درحقیقت قادسیہ نے حکومتِ کسریٰ کی کمر توڑ دی۔ اس کے بعد کی لڑائیاں صرف ایک دم توڑتی ہوئی لاش کا سنبھالا تھیں۔ ابھی دو سال بھی نہیں گذرے تھے، جب مسلمانوں نے حضرتِ خالدؓ کی سرکردگی میں عراق میں قدم رکھا تھا۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصے میں انہوں نے اس عظیم الشان سلطنت کو سرنگوں کر دیا جس نے صرف پندرہ سال پہلے چین سے لے کر بحیرۂ روم تک کا تمام علاقہ تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ اور قیصرِ روم کو خراج پر مجبور کر دیا تھا۔ خدا کی شان ہے کہ اب اس عظیم الشان سلطنت کو تیس ہزار مسلمان اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے روند رہے تھے۔ جنگِ قادسیہ کے بعد ایرانی کبھی اتنی بڑی جمعیت اکٹھی نہ کر سکے اب نہ صرف عراق بلکہ سارا ایران اور وسطِ ایشیا ان کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ عراق کے بہت سے عرب قبائل

جو اس سے پہلے عیسائی تھے اب جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں عراق نسلی، لسانی اور تمدّنی لحاظ سے عرب کا حصّہ بن گیا۔

فتح مدائن ۱۶ھ

قادسیہ میں دو مہینے قیام کرنے کے بعد حضرتِ سعد بن وقاص ایران کے دار الخلافہ مدائن کی طرف بڑھے۔ آپ نے بڑی آسانی سے دریائے فرات کو عبور کر لیا۔ ایرانیوں نے بابل کے مقام پر مقابلے کی کوشش کی لیکن شکست کھائی۔ آپ کو یہاں چند ماہ دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے کو ایرانیوں سے صاف کرنے کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ جب اسلامی فوجیں تازہ دم ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے مدائن پر چڑھائی کی اجازت دے دی۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا اور دُنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا یہ اصل میں دو شہروں کا مجموعہ تھا اسی لئے عرب اسے مدائن (مدائن جمع مدینہ یعنی دو شہر) شہنشاہِ ایران یزدجرد کی ماں نے سعد کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر شکست کھائی۔ پائے تخت کے قریب ایک مقام بنام بہرہ شیر تھا۔ یہاں شاہی فوج کا ایک خاص دستہ رہا کرتا تھا جو ہر صبح اُٹھ کر یہ قسم کھاتے تھے کہ جب تک ہم ہیں، سلطنتِ ایران پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔ مسلمانوں نے اس شہر کو بھی فتح کر لیا اور اب وہ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ گئے۔ پہلے انہوں نے شہر کے جنوبی حصّہ کا محاصرہ کیا۔ جب محاصرہ کی سختی بہت بڑھ گئی تو یزدجرد نے کہلا بھیجا کہ وہ اپنی سلطنت کا وہ تمام حصّہ جو دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر تھا، مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

بشرطیکہ مشرقی حصّے سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ حضرتِ سعدؓ نے اس درخواست کو ردّ کر دیا۔ کیونکہ مسلمان اس حصّے کو پہلے ہی فتح کر چکے تھے۔ آخر ایک دن محاصرین محاصرہ کی سختی سے تنگ آکر خود بخود مدائن کا مغربی حصّہ خالی کر گئے اور دریا پار اُتر گئے۔ جہاں کسریٰ کے محلات وغیرہ تھے اور جو درحقیقت ایران کا پایۂ تخت تھا۔ ایرانیوں نے دونوں حصّوں کے درمیان تمام پُل توڑ دیئے تھے اور دُور دُور تک کوئی کشتی نہ چھوڑی تھی۔ یہاں آکر مسلمانوں کو غیر متوقع طور پہ رُکنا پڑا۔ ان کے پاس کشتیوں کا بیڑا نہیں تھا کہ وہ دریا پار کر سکتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ قادسیہ کے بعد یزدجرد بالکل ہی چھوڑ چکا تھا اور وہ مدائن سے بھاگنے کی سوچ رہا تھا۔ اس نے شاہی خاندان اور لوازماتِ شاہی یعنی تاج وغیرہ کو پہلے ہی مدائن سے حلوان بھیج دیا تھا۔ جب حضرتِ سعدؓ کو خبر ملی کہ یزدجرد بھاگنے کی فکر میں ہے تو انھوں نے بغیر کشتیوں کی مدد کے دریا پار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ کسی ایرانی سے انہیں ایک ایسی جگہ کا پتہ لگ گیا جہاں دریا نسبتاً کم گہرا تھا۔ لیکن اس کے باوجود دریا کا بہاؤ اپنے پورے زور پہ تھا۔ اس کام کے لئے آپ نے چھ سو سواروں کا دستہ منتخب کیا اور ان نڈر بہادروں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے۔ اور ایک ساتھ اس ترتیب سے آگے بڑھے کہ کوئی صف ٹوٹنے نہ پائی۔ دوسرے کنارے پہ ایرانی یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔ جب مسلمان دوسرے کنارے پہ پہنچ گئے تو ایرانی بدحواس ہو گئے اور "دیواں آمدند۔ دیواں آمدند" کہتے ہوئے بھاگ گئے۔ تاہم ان کے ایک دستہ نے دریا میں اُتر کر مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس سیلاب

کے آگے نہ ٹھہر سکے۔ یزدجرد اس حملے کی خبر سُن کر پہلے ہی بھاگ چکا تھا۔ جب حضرتِ سعدؓ ایرانی پایۂ تخت میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ آپ نے سب سے پہلے ایوانِ کسریٰ میں نمازِ شکرانہ ادا کی۔ اس طرح آں حضرتؐ کی یہ پیشین گوئی کہ میری امت ایوانِ کسریٰ کی وارث ہوگی حرف بحرف پوری ہوئی۔

شاہانِ ایران کے پایۂ تخت سے مسلمانوں کو بے شمار مال و دولت ہاتھ آیا۔ مدائن کے خزانہ میں نقد سونا چاندی اور جواہرات کے علاوہ پرانے شاہانِ ایران کے ملبوسات، تاج۔ ہتھیار اور کئی دوسری نادر عجائبات اور یادگاریں جمع تھیں۔ یہ تمام تاریخی نوادر حضرتِ سعدؓ نے دربارِ خلافت کو بھجوا دیئے۔ ان میں سب سے عجیب غریب ایک قالین تھا۔ جس کا نام فرشِ بہار تھا۔ اس پہ سونے چاندی اور قسم قسم کے جواہرات کے گُل بُوٹے بنے ہوئے تھے جب یہ بچھایا جاتا تھا تو سچ مچ بہار کا سماں معلوم ہوتا تھا۔ سب کی رائے تھی کہ اسے محفوظ کیا جائے۔ لیکن حضرتِ علیؓ کے اصرار پہ اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔

مدائن سے نکل کر ایرانیوں نے جلولہ میں اپنا مرکز قائم کر لیا۔ یزدجرد اس وقت مدائن سے ایک سو میل شمال کی طرف حلوان میں مقیم تھا۔ اور اہلِ جلولہ کو باقاعدہ کمک بھیجتا رہتا تھا۔ حضرتِ سعدؓ نے اپنے ایک افسر قعقاع کو اُسے فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ چند مہینوں کے محاصرے کے بعد اہلِ جلولہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حلوان پہ بھی قبضہ کر لیا۔ یزدجرد یہاں سے بھاگ کر رَے چلا گیا۔ جلولہ اس

www.pdfbooksfree.pk

مہم کا سب سے آخری معرکہ تھا، اس کے بعد مسلمانوں نے عراق کے اور چھوٹے چھوٹے شہر فتح کر لیے اور سنہ ۱۶ھ کے اختتام تک تمام عراق پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

حضرتِ عمرؓ اس بات کے حق میں نہ تھے کہ عراق سے آگے قدم بڑھایا جائے۔ آپ کا قول تھا کہ: "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی دیوار حائل ہو جائے کہ نہ ہم ایرانیوں پر حملہ کر سکیں اور نہ ایرانی ہم پر۔ مجھے مسلمانوں کی جان، مالِ غنیمت سے زیادہ عزیز ہے۔" لیکن بعد میں کچھ حالات ایسے پیش آ گئے کہ مسلمانوں کو عراق کے بعد ایران کو بھی مکمل طور پر فتح کرنا پڑا۔

کچھ عرصہ تک مدائن اسلامی فوجوں کا مرکز رہا۔ لیکن اس کی آب و ہوا عرب کے صحرا نشینوں کو راس نہ آئی، اس لئے حضرتِ عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی مناسب جگہ تلاش کی جائے اور وہ جگہ ایسی ہو کہ اس کے اور میرے درمیان پانی حائل نہ ہو۔ آخر بڑی تلاش کے بعد ایک جگہ منتخب کی گئی جہاں آج کوفہ آباد ہے، اس کی زمین عرب سے ملتی جلتی تھی۔ کوفہ اسلامی فوج کا مرکز قرار پایا، اس کے ساتھ ہی جنوبی عراق میں ایک پرانی بندرگاہ اُبلہ کے قریب ایک اور نیا شہر بسایا گیا جس کا نام بصرہ تھا۔ حضرتِ عمرؓ نے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ شمالی حصے کا صدر مقام کوفہ تھا اور جنوبی حصے کا بصرہ۔ یہ دونوں شہر خالص عرب تھے، اور انہوں نے بعد میں اسلامی تہذیب و تمدن پر کافی اثر ڈالا۔

فتحِ ایران سنہ ۲۱ھ تا سنہ ۲۳ھ

(الف) جنوبی ایران کی تسخیر سنہ ۱۶ھ تا سنہ ۲۰ھ

ابھی ابھی ہم حضرتِ عمرؓ کی محتاط پالیسی کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو عراق کے اندر محدود رکھنا چاہتے تھے لیکن جلد ہی بعض ایسے واقعات پیش آ گئے جن کی وجہ سے آپ کو یہ پیش بندی ہٹانی پڑی۔ خلیج فارس کا جنوبی ساحل جسے بحرین کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اور اس کے شمالی ساحل پر ایرانی قابض تھے۔ بحرین کے مسلمان حاکم نے چاہا کہ حضرتِ سعد بن ابی وقاص کی طرح وہ بھی کوئی کارنامہ کر دکھائے۔ چنانچہ اس نے حضرتِ سعد کی منظوری کے بغیر خلیج فارس کے شمالی ساحل پر سمندر کے راستہ سے حملہ کر دیا۔ لیکن ایرانیوں نے اس کو ساحل سے الگ کر دیا اور اس کی فوج کو نرغے میں لے لیا۔ حضرتِ عمرؓ نے عتبہ حاکمِ بصرہ کو لکھا کہ وہ گھری ہوئی اسلامی فوج کو نرغے سے نکال لائیں۔ چنانچہ عتبہ ان کو خشکی کے راستے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس پسپائی سے ایرانیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ایران کے صوبہ اہواز کے حاکم ہرمزان نے عراق کی بیرونی چھاؤنیوں پر حملے شروع کر دیے۔ عتبہ نے مقابلہ کیا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ ہرمزان نے صلح کی درخواست کی جسے عتبہ نے منظور کر لیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ہرمزان نے پھر اس صلح کو توڑ دیا۔ اسلامی فوج نے بڑھ کر اہواز پر قبضہ کر لیا۔ ہرمزان مشرق کی طرف بھاگ

www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ اب شاہِ ایران یزدجرد نے لوگوں کو بغاوت پر اکسانا شروع کر دیا۔ ہرمزان نے ایک بار پھر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور شوستر کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے کئی مہینے تک شوستر کا محاصرہ رکھا اور آخر ایک پوشیدہ راستہ سے داخل ہو کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ہرمزان نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ اسے حضرت عمرؓ کے پاس دربارِ خلافت میں بھیجا جائے۔ جب وہ حضرتِ عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو زرق برق لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے مسلمان محافظوں سے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ انہوں نے مسجدِ نبوی کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک شخص موٹے سے کپڑے کا کرتہ پہنے کھجور کی چٹائی پر لیٹا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی کیفیت سے تو وہ پہلے ہی واقف تھا اب اس فاتحِ عالم کا حال دیکھ کر اور بھی حیران رہ گیا۔ حضرتِ عمرؓ نے اس کی بار بار کی بدعہدی کی وجہ پوچھی، اس نے جواب دینے سے پہلے پانی کا ایک پیالہ مانگا۔ جب وہ پانی پینے لگا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے حضرتِ عمرؓ نے اس کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ حضرتِ عمرؓ نے فرمایا کہ جب تک تم اس پانی کو نہ پی لو تمہیں امان دی جاتی ہے"۔ اس نے فوراً باقی پانی زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ اب آپ اپنے قول کے مطابق مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرتِ عمرؓ اس کی چالاکی پر حیران ہوئے اور چاہتے تھے کہ اسے قتل کر دیا جائے لیکن صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے جو الفاظ فرمائے ہیں ان کی رو سے اس کو امان مل گئی ہے۔ اس پر آپ نے بھی اسے معافی دے دی۔ اپنے کہے کا یہ پاس دیکھ کر ہرمزان مسلمان ہو گیا۔

ب: معرکہ نہاوند اور شمالی ایران کی تسخیر
۲۱ھ تا ۲۳ھ

ایرانیوں کی مسلسل شورشوں سے حضرت عمرؓ کو بہت تشویش

ہوئی۔ انہیں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں مسلمان ذمیوں پر سختی تو نہیں کرتے اس بات کو معلوم کرنے کے لئے آپ نے کوفہ کے دس شرفا کا ایک وفد طلب کیا۔ انہوں نے آپ کو اطمینان دلایا کہ مسلمان ذمیوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ وفد نے بتلایا کہ ان شورشوں کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ہمیں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ ایرانیوں کا بادشاہ انہیں اکسانے کے لئے ہر وقت موجود ہے۔ ایک ملک میں دو حکومتیں نہیں رہ سکتیں۔ ان شورشوں کا اس وقت ازالہ ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیں آگے بڑھنے کی اجازت دیں۔ بات درست تھی اس لئے حضرتِ عمرؓ مان گئے۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ کسریٰ کی طاقت کا خاتمہ کیا جائے اور اس کی ساری سلطنت کو اپنے قبضہ میں لے لیا جائے۔

معرکۂ نہاوند ۲۱ھ: یزدجرد مدائن سے بھاگ کر حلوان چلا گیا تھا۔ جب حلوان بھی فتح ہو گیا تو اس نے پہلے رے اور پھر مرو کو اپنا مرکز بنایا۔ یہاں اس نے ایک بہت بڑا آتشکدہ تعمیر کرایا اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی واپسی کی تدبیریں سوچنے لگا تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج فراہم کر لی۔ اور اسے ایک مشہور جرنیل فیروزان کے حوالے کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حضرتِ عمرؓ کے حکم کے مطابق نعمان بن مقرن کو تیس ہزار فوج دے کر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا گیا۔ نہاوند کے مقام پر دونوں

www.pdfbooksfree.pk

فوجوں میں ہولناک جنگ ہوئی۔ دو روز تک فریقین میں سخت مقابلہ ہوتا رہا۔ تیسرے دن ایرانی میدان چھوڑ کر محفوظ مقامات میں پناہ گزین ہو گئے۔ مسلمانوں کے ایک دستہ نے ان پر حملہ کیا اور خود آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ تمام ایرانی یہ سمجھ کر کہ مسلمان پسپا ہو رہے ہیں اپنے مورچے چھوڑ کر پھر کھلے میدان میں آ گئے۔ یہاں مسلمانوں نے ان پر چاروں طرف سے ہلّہ بول دیا۔ لڑائی رات گئے تک جاری رہی۔ جب اندھیرا ہوا تو ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمان سپہ سالار نعمان بن مقرن اس معرکہ میں شہید ہو گیا۔ لیکن مسلمانوں کو مکمل فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد ایرانیوں کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔ اس لئے معرکۂ نہاوند کو فتح الفتوح کہا جاتا ہے۔ اس فتح کے بعد اسلامی فوجیں سارے ایران میں پھیل گئیں اور یکے بعد دیگرے ایران کے مختلف صوبوں ہمدان، طبرستان، اصفہان، آذربائیجان، کرمان، خراسان وغیرہ کو فتح کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ ایک طرف وسط ایشیا تک اور دوسری طرف مکران کے راستے سے برعظیم ہند تک پہنچ گئے۔ اس طرح سارا ایران ان کے قبضہ میں آ گیا۔ یزدجرد اصفہان، اور اصفہان سے کرمان بھاگتا پھرا۔ آخر اس نے بلخ میں پناہ لی اور ترکوں اور چینیوں کی مدد سے کچھ مدت جنگ کرتا رہا۔ لیکن اب اقبال اس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس خانہ بدوش زندگی کے دوران میں اس نے ایک پن چکی میں پناہ لی۔ پن چکی والے نے اس کے زرق برق لباس کے لالچ میں آ کر اس کو قتل کر دیا۔ اس طرح یزدجرد حضرت عثمانؓ کے عہد میں سنہ ۳۱ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کسریٰ کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

باب ۲۰

خلافتِ عمرؓ کی فتوحات

شام — فلسطین — مصر

فتح شام سنہ ۱۴ھ تا سنہ ۱۶ھ

(الف) فتح دمشق سنہ ۱۴ھ

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ صحرائے عرب سے نکل کر مسلمانوں نے بیک وقت اس وقت کی سب سے عظیم الشان سلطنتوں رُوم اور ایران پر ہلّہ بول دیا تھا۔ جہاں مسلمان ایک طرف ایران کو تاخت و تاراج کر رہے تھے وہاں دوسری طرف قیصرِ روم کے خلاف شام میں نبرد آزما تھے۔ ایران کی فتوحات بیان کرنے کے بعد اب ہم شام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ عہدِ صدیقی میں محاذِ شام کی سب سے بڑی لڑائی جنگِ اجنادین تھی۔ ابھی یہ لڑائی جاری تھی کہ حضرتِ ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ جنگِ اجنادین نے مسلمانوں کے لئے دمشق کا راستہ کھول دیا۔ دمشق زمانۂ قدیم سے شام کا دارالخلافہ چلا آتا ہے۔ یہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے اور ایک نہایت ہی سرسبز و شاداب وادی میں واقع ہے جسے بجا طور پر جنتِ الارضی کہا جاتا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

جب حضرت ابو عبیدہ دمشق کی طرف بڑھے تو انہیں معلوم ہوا کہ ایک طرف تو رومیوں کا شکست خوردہ لشکر فحل کے مقام پر جمع ہو گیا ہے اور دوسری طرف قیصرِ روم دمشق کی حفاظت کے لئے بہت سی فوج بھیج رہا ہے اور دمشق کی رومی فوج کو اور زیادہ کمک پہنچائی جا رہی ہے۔ آپ نے ایک دستہ تو رومیوں کے فحل والے لشکر کو تتر بتر کرنے کے لئے بھیجا، دوسرے دستے کو حمص اور دمشق کے درمیان اور تیسرے کو دمشق اور فلسطین کے درمیان متعین کیا۔ تا کہ ان مقامات سے دمشق کو مدد نہ پہنچ سکے۔ اس کے بعد اسلامی فوج نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن ان کو اس محاصرے میں چھ مہینے لگ گئے۔ ایک تو دمشق کے ارد گرد بڑی مضبوط شہر پناہ بنی ہوئی تھی اور دوسرے مسلمان ابھی تک قلعہ شکن آلات کے استعمال سے اتنے واقف نہ تھے۔ اتفاق سے ایک رات شہر کے اندر غیر معمولی شور و غل سنائی دیا۔ حضرتِ خالدؓ بن ولید کو جاسوسوں کی زبانی معلوم ہوا کہ محصورین کسی خاص تقریب کی خوشی میں شراب پی کر بدمست اور غافل ہو گئے ہیں۔ آپ نے فوراً اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور صبح ہوتے ہوتے چند جاں بازوں کو لے کر فصیل پھاند گئے اور شہر کا مغربی دروازہ کھول دیا۔ آپ کی باقی ماندہ فوج باہر منتظر تھی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہو گئے۔ اِدھر محصورین نے حضرت ابو عبیدہ سے جو دوسرے دروازے پر متعین تھے۔ صلح کی درخواست کی اور ان کے لئے دروازہ کھول دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو حضرت خالدؓ بن ولید کا دوسرے دروازہ سے بزورِ شمشیر داخل ہونے کا علم نہ تھا۔ شہر کے وسط میں دونوں کی ملاقات ہوئی اب یہ بحث تھی کہ آیا شہر کو بذریعہ صلح مفتوح سمجھا جائے یا

بزورِ شمشیر مسخر۔ پہلی صورت میں فاتح فوج کو یہ حق نہ تھا کہ وہ مالِ غنیمت لے یا کسی کو قیدی بنائے۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ حضرتِ ابو عبیدہؓ کی صلح کو برقرار رکھا جائے۔ شرائطِ صلح کی رُو سے معمولی سے ٹیکس کے بدلے عیسائیوں کے جان و مال، جائداد اور عبادت گاہوں کی حفاظت کے متعلق ضمانت دی گئی۔

دمشق کی فتح کے سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ صلح نامے پر مسلمانوں کی طرف سے حضرتِ خالدؓ بن ولید کے دستخط تھے اور یہ روایت کہ ان کو جنگِ اجنادین کے دوران میں معزول کر دیا گیا تھا، غلط ہے۔ اسی وجہ سے حضرتِ خالدؓ کی معزولی کے بارے میں مختلف روایتیں مشہور ہو گئی ہیں۔ زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ اجنادین میں نہیں، بلکہ محاصرۂ دمشق میں آپ کی معزولی کے احکام صادر ہوئے۔ لیکن دورانِ محاصرہ میں حضرتِ ابو عبیدہ نے اس راز کو مخفی رکھا۔ حتیٰ کہ دمشق فتح ہو گیا اور صلحنامے پر دستخط ہو گئے۔

ب: جنگِ یرموک سنہ ۱۵ھ

دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے فحل (جہاں معرکہ اجنادین کی شکست خوردہ رومی فوجیں جمع ہو گئی تھیں) حمص اور قنسرین وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات کی خبر سُن کر ہرقل بہت پیچ و تاب میں آیا۔ اس نے اپنے اس زرخیز صوبے کو بچانے کی ایک اور کوشش کی اور سلطنت کے دور دراز مقامات سے فوجیں اکٹھی کر لیں۔ چنانچہ بہت جلد تقریباً دو لاکھ فوج انطاکیہ کے مقام پر جہاں ہرقل خود مقیم تھا۔ جمع ہو گئی۔ اس فوج میں دو جرنیل (یا یونانیوں) کے

www.pdfbooksfree.pk

علاوہ ارمنی، شامی اور عیسائی عرب دستے بھی شامل تھے۔ ان سب پر اس نے ایک مشہور جرنیل تھیوڈور سیکیلیریس THEODORE SAKKELLARIUS—) یہ وہ تھیوڈور نہیں۔ جو جنگِ اجنادین میں رومی افواج کا کمانڈر تھا۔) کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اس کے ماتحت دو اور سردار تھے۔ جنہیں عرب مؤرخین باہان اور جرجا (جارج) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غالباً یہ آرمینی اور یونانی دستوں کے سالار تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اپنے چھوٹے چھوٹے دستے جو حضرت خالدبن ولید اور حضرت عمروبن العاصؓ وغیرہ کی سرکردگی میں شام کے مختلف علاقوں کی تسخیر کے لئے گئے ہوئے تھے واپس بلا لئے اور یہ فیصلہ کیا کہ دمشق۔ حمص اور دوسرے بڑے بڑے شہروں کو خالی کر دیا جائے۔ آپ نے چلتے وقت مفتوحہ علاقے کے باشندوں کو جزیہ کی تمام رقم واپس کر دی۔ کیونکہ جزیہ ذمی رعایا کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا تھا۔ اب وہ ان کی حفاظت سے معذور تھے۔ اس لئے انہیں اس ٹیکس کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہ تھا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ فاتح فوج نے مفتوحہ علاقوں سے وصول شدہ ٹیکس واپس کر دئے ہوں۔ اپنی غیر مسلم رعایا سے مسلمانوں کا یہ سلوک اتنا فیاضانہ تھا کہ ان کی واپسی پر دمشق اور حمص کے عیسائی روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا مسلمانوں کو پھر واپس لائے۔

شام کے مفتوحہ علاقوں کو خالی کرنے کے بعد مسلمان دریائے یرموک تک ہٹ گئے اور وہاں جم کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ قادسیہ کی طرح یہ جگہ بھی عرب سرحد کے قریب تھی تاکہ ضرورت پڑنے

پر جہاں تک ممکن ہو، اسلامی فوج ہٹ سکے اور موقع پاکر پھر حملہ آور ہو۔ مسلمانوں کی کل تعداد تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی اور رومیوں کی تعداد تقریباً دو لاکھ۔ رومیوں کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے مقدس راہب جو نہایت صلح کل زندگی بسر کرتے تھے اپنے حجروں سے باہر نکل آئے اور ہتھیار لگا کر فوج میں شامل ہو گئے۔ رومیوں کے سپہ سالار نے چاہا کہ مسلمانوں کو کچھ دے دلا کر ٹال دیا جائے۔ اس غرض سے اس نے حضرتِ ابوعبیدہ کو صلح کے متعلق گفت و شنید کرنے کا پیغام بھیجا۔ حضرتِ ابوعبیدہ نے حضرتِ خالدؓ بن ولید کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ رومیوں نے حضرتِ خالدؓ پر رعب ڈالنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ راستے کے دونوں جانب دور تک مسلح سوار کھڑے کر دئے جو سر تا پا لوہے میں غرق تھے۔ آپ ان کے درمیان سے اس بے پرواہی سے گزر دے جیسے شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیر کر نکل جاتا ہے۔ رومیوں کے سپہ سالار نے پہلے تو اپنا احسان جتلایا کہ ہم رومیوں کا عربوں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک رہا ہے اور اس کے بعد اس نے ایک بڑی رقم پیش کی لیکن حضرتِ خالدؓ نے اسے ٹھکرا دیا اور صلح کی گفتگو ناکام رہی۔

اس طرح تقریباً ایک مہینے تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے پڑی رہیں۔ ایک دن جب آندھی زوروں پر تھی مسلمانوں نے موقع تاک کر حملہ کر دیا۔ رومی بڑی بہادری سے لڑے، ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے تین ہزار سپاہیوں نے پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھائی ہوئی تھی اور اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ پہلے

www.pdfbooksfree.pk

حملے میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور رومی انہیں دباتے ہوئے مسلمانوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان عورتوں نے خیموں کی طنابیں کھینچ لیں اور بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو غیرت دلائی۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اور ان کے چار سو ساتھیوں نے شہید ہونے کی قسم اُٹھائی اور تقریباً سب کے سب وہیں کٹ کر مر گئے۔ عورتوں کی ہمت اور عکرمہ بن ابوجہل کے بہادرانہ عزم نے مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جما دیئے۔ اسی اثنا میں اسلامی فوج کا ایک حصہ دشمنوں کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے بعد رومی نہ سنبھل سکے۔ رومیوں کے نقصان کا اندازہ ستر ہزار سے ایک لاکھ تک بتایا جاتا ہے۔ اس میں وہ تین ہزار سپاہی بھی شامل تھے جنہوں نے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ یہ بدقسمت بندھے بندھائے پہاڑوں کی کھڈوں میں جا گرے۔ رومیوں کا سپہ سالار تھیوڈور سیکولیرس لڑتا ہوا مارا گیا لیکن باہان اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا اور بعد میں راہب بن گیا۔ روایت ہے کہ جب اس شکست کی خبر انطاکیہ میں ہرقل تک پہنچی تو وہ یہ کہہ کر قسطنطنیہ بھاگ گیا: "الوداع اے ملکِ شام! اب تم غیروں کے قبضہ میں رہو گے"۔

جس طرح ایران کی لڑائیوں میں جنگِ قادسیہ فیصلہ کُن تھی اسی طرح شام کی لڑائیوں میں جنگِ یرموک بھی فیصلہ کُن تھی۔ اس کے بعد شام کے وہ تمام علاقے جن کو مسلمانوں نے خالی کیا تھا۔ پھر ان کے قبضے میں آ گئے۔ چھوٹے چھوٹے مقامات تو ویسے ہی مطیع ہو گئے لیکن حلب، انطاکیہ اور قنسرین کے لوگوں نے کچھ مزاحمت کی۔ مگر جب انہیں یقین ہو گیا کہ قسطنطنیہ سے کوئی امداد نہیں پہنچ

سکتی تو انہوں نے جزیہ دے کر صُلح کر لی۔ شام کے باشندوں میں کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے۔ لیکن زیادہ تر لوگ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے اور آج بھی شام میں عیسائی عربوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ ایک مقام جرجومہ کے رہنے والوں نے نہ اسلام قبول کیا نہ جزیہ۔ بلکہ انہوں نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ مسلمانوں کو فوجی امداد دیں گے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ناروا ٹیکس نہیں تھا اور نہ ہی یہ جبراً غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جاتا تھا۔ بلکہ جو لوگ مسلمانوں کو فوجی امداد دیتے تھے وہ اس کی ادائیگی سے بری الذمہ تھے۔

فتح فلسطین (یا بیت المقدس) سنہ ۱۵ھ

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دمشق کی فتح کے بعد حضرتِ ابو عبیدہؓ نے اسلامی دستے شام و فلسطین کے مختلف شہروں کی تسخیر کے لئے پھیلا دئے تھے۔ لیکن جب یرموک کا معرکہ پیش آیا تو آپ نے ان سب دستوں کو واپس بُلا لیا۔ اب یرموک کی فتح کے بعد یہ دستے پھر اپنی اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھے۔ فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاص کو مقرر کیا گیا تھا لیکن قلّتِ فوج کے باعث انہیں بار بار اسلامی لشکر کی امداد کے لئے دمشق جانا پڑتا تھا۔ ورنہ بیت المقدس کب کا فتح ہو گیا ہوتا۔ جنگِ یرموک کے بعد وہ پھر فلسطین کی تسخیر میں مصروف ہو گئے۔ فلسطین کی مہم کا سب سے بڑا معرکہ اجنادین کے مقام پر ہُوا۔ یاد رہے کہ اسی نام کی ایک پہلی جنگ حضرتِ ابوبکرؓ کے زمانے میں لڑی جا چکی تھی، جسے بعض مسلم مؤرخین غلطی سے جنگِ یرموک کے نام سے بھی

www.pdfbooksfree.pk

یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا اس دوسرے معرکہ اجنادین کو جنگِ اجنادین ۲ؔ کے نام سے موسوم کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اجنادین کے مقام پر بیت المقدس کی حفاظت کے لئے ایک رومی سردار ارطبون ایک بہت بڑا لشکر لئے ہوئے مقیم تھا۔ ارطبون اپنی چالاکی کے لئے بہت مشہور تھا۔ لیکن ادھر حضرت عمرو ابن العاص بھی اس سے کچھ کم نہ تھے۔ کچھ عرصہ تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑے رہے اور ساتھ ہی صلح کی گفتگو بھی شروع ہوگئی۔ ایک دن حضرت عمرو ابن العاص خود سفیر بن کر ارطبون کے دربار میں گئے۔ ارطبون کو کسی طرح سے معلوم ہوگیا کہ یہی مسلمانوں کا سپہ سالار ہے۔ اُس نے ایک آدمی کو آپ کے خفیہ قتل پر مامور کیا۔ مگر آپ ارطبون کا ارادہ بھانپ گئے۔ اور کہا کہ کل میں اکیلا نہیں بلکہ ہم دس آدمی پھر گفتگو کے لئے آئیں گے۔ ارطبون نے یہ سمجھ کر کہ کل اس سے بھی اچھا موقعہ ملے گا، آپ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح آپ ارطبون کے چنگل سے صاف بچ کر آ گئے۔ اس کے بعد آپ نے عہد کیا کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ جب دونوں کا مقابلہ ہوا تو ارطبون شکست کھا کر بیت المقدس کی طرف بھاگ گیا۔

اب اسلامی فوجیں بیت المقدس کے سامنے تھیں۔ یہ شہر بہت مقدس خیال کیا جاتا تھا اور یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں واجب الاحترام تھا۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ رومی اس شہر کی حفاظت کے لئے بہت سخت مقابلہ کریں گے۔ اس لئے حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولید، حمص، حلب، انطاکیہ اور قنسرین کو دوبارہ فتح کرنے کے بعد وہ بھی بیت المقدس

پہنچ گئے اور چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ بیت المقدس کو ہرقل سے امداد ملنے کا یقین تھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ اس امداد سے مایوس ہوگئے۔ ادھر ارطبون جو اجنادین سے شکست کھا کر بیت المقدس چلا آیا تھا، ایک رات خاموشی کے ساتھ مصر کی طرف فرار ہوگیا۔ اب اہلِ شہر نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن اب وہ اس سلسلہ میں خاص مراعات کے طالب تھے۔ گو مسلمانوں نے جن جن شہروں کو فتح کیا تھا وہاں غیر مسلم رعایا کے جان و مال اور عبادت گاہوں سے بالکل تعرض نہیں کیا تھا لیکن بیت المقدس کا معاملہ مختلف تھا۔ یہاں سابق انبیا کی بہت سی یادگاریں محفوظ تھیں جو مسلمانوں کے لئے اتنی ہی قابلِ تعظیم تھیں جتنی یہود اور نصاریٰ کے لئے۔ اس لئے بیت المقدس کے عیسائیوں کو یہ اندیشہ تھا کہ ممکن ہے مسلمان ان مقدس مقامات کو عیسائیوں کے ہاتھ سے چھین لیں۔ چنانچہ انھوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنا منظور کیا کہ حضرتِ عمرؓ خود آکر معاہدۂ صلح کی تصدیق کریں۔ حضرتِ ابوعبیدہؓ نے حضرتِ عمرؓ کو عیسائیوں کی اس خواہش سے مطلع کیا۔ حضرتِ عمرؓ نے صحابہ کو جمع کرکے مشورہ کیا اور آخر یہی فیصلہ ہوا کہ آپ خود بیت المقدس جائیں، تاکہ دنیا کا یہ مقدس شہر کشت و خون کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آجائے۔

مدینہ میں حضرتِ علیؓ کو قائم مقام کرکے حضرتِ عمرؓ بیت المقدس کے لئے روانہ ہوگئے۔ بدن پر وہی موٹا کرتہ اور سادہ لباس تھا، جو عموماً پہنا کرتے تھے۔ جب دمشق کے قریب پہنچے تو سب افسرانِ فوج نے استقبال کیا۔ یہ تمام افسر ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ آپ سخت ناراض ہوئے کہ اتنی جلدی تم لوگوں نے عجمی (یعنی غیر اسلامی) عادات سیکھ لیں۔ افسروں نے گذارش کی کہ ان

www.pdfbooksfree.pk

ریشمی قباؤں کے نیچے ہتھیار موجود ہیں (یعنی سپاہیانہ جوہر ابھی محفوظ ہے) یہ سُن کر حضرت عمرؓ کا غصّہ فرو ہوا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ صرف ایک غلام کو ساتھ لے کر بیت المقدس روانہ ہوئے۔ اور یہ طے ہوا کہ دونوں باری باری اونٹ کی سواری کریں۔ اتفاق سے جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اس وقت آپ کے غلام کی باری تھی۔ بیت المقدس سے ایک منزل ادھر جب سردارانِ فوج نے آپ کا استقبال کیا تو آپ کے فقیرانہ لباس اور اونٹ کو دیکھ کر مسلمان افسروں کو یہ خیال آیا کہ ممکن ہے عیسائی خلیفۂ اسلام کو اس حالت میں دیکھ کر ہنسیں، وہ آپ کے لئے ایک ترکی گھوڑا، اور قیمتی لباس لائے، تاکہ عیسائی اس سے مرعوب ہوں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ جو عزّت اسلام نے مجھے بخشی ہے، وہی میرے لئے کافی ہے۔ الغرض آپ اسی طرح اونٹ کی مہار تھامے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔

بیت المقدس کے متعلق جو عہد نامہ عیسائیوں سے ہوا، اُس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمرؓ امیر المؤمنین نے ایلیا (بیت المقدس کا پرانا نام) کے لوگوں کو دی (اس معاہدہ کی رُو سے قرار پایا کہ) ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کی جائے گی۔ ان کی کوئی عبادت گاہ گرائی نہیں جائے گی۔ نہ ہی ان کی حدود میں تغیر و تبدّل کیا جائے گا۔ یہودیوں کو ایلیا میں رہنے کی اجازت نہ ہوگی (یہ شرط اس لئے منظور کی گئی تھی کہ یہودیوں نے حضرتِ عیسےٰ

کی قتل گاہ کو نجس اور ناپاک کر دیا تھا اور وہ اپنے دورِ اقتدار میں وہاں گندگی کے ڈھیر لگایا کرتے تھے۔ عیسائیوں کو ڈر تھا کہ اگر یہودیوں کو بیت المقدس میں واپس آنے کی اجازت دی گئی تو وہ پھر ایسا ہی کریں گے) ایلیا والوں پر ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کے بدلے فرض ہے کہ وہ دوسرے شہروں کی طرح جزیہ ادا کریں۔ نیز جو رومی یہاں سے جانا چاہیں ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ حتیٰ کہ وہ امن کی جگہ (یعنی اپنے ملک کی حدود کے اندر) پہنچ جائیں۔ اہلِ ایلیا میں سے بھی اگر کوئی رومیوں کے پاس جانا چاہے تو اس کو بھی امن و امان سے جانے کی اجازت ہو گی۔ اگر کوئی رومی ایلیا میں رہنا چاہے تو اس کو بھی اہلِ ایلیا کی طرح امن دیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ جزیہ ادا کرنا قبول کرے۔ یہ عہد نامہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔ خالد بن ولید، عمرو ابن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابو سفیان اس کے گواہ ہیں"۔

یہ عہد نامہ کئی لحاظ سے اہم ہے:۔

۱۔ عہد نامے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آں حضرتؐ اور آپ کے خلفا اور صحابہ کا اپنی غیر مسلم رعایا کے متعلق کیا رویّہ تھا۔ اس صلح نامہ کی رُو سے نہ صرف اہلِ شہر کو امان دی گئی بلکہ ان رومیوں کو بھی جو مسلسل کئی برس سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ دشمن کے سپاہیوں کو جن کی طرف سے ہر وقت خطرہ ہو امان دے کر اپنے درمیان رہنے کی اجازت دینا ایسی فراخدلانہ پیش کش ہے جس کی مثال تاریخ دینے سے قاصر ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

۲۔ بعض مورخین نے اس عہد نامہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح بیت المقدس تک حضرتِ خالدؓ بن ولید سپہ سالاری سے معزول نہیں ہوئے تھے۔ ورنہ ان کی جگہ حضرتِ ابو عبیدہ کی گواہی ہوتی۔ لیکن یہ درست نہیں۔

اس عہد نامہ پر حضرتِ خالدؓ کی گواہی کی یہ توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ یہ عہد نامہ بیت المقدس میں نہیں بلکہ جابیہ میں (دمشق کے قریب) لکھا گیا۔ جہاں صرف یہی حضرات موجود تھے۔ حضرت ابو عبیدہ اس وقت بیت المقدس میں تھے اس لئے ان کے دستخط اس دستاویز پر نہیں۔ بلاذری لکھتا ہے کہ یہ صلح نامہ بیت المقدس میں لکھا گیا۔ لیکن بلاذری کی یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر یہ معاہدہ بیت المقدس میں لکھا گیا ہوتا تو اس پر حضرتِ ابو عبیدہ کے دستخط ضرور ثبت ہوتے۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرتِ عمرؓ بیت المقدس کے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے نکلے بطریق اعظم یعنی کلیسا کے سب سے بڑے مذہبی رہنما آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ عیسائیوں کے ایک مشہور گرجے کی سیر کر رہے تھے تو نماز کا وقت آ گیا۔ بطریق نے آپ سے درخواست کی کہ یہیں نماز پڑھ لیجئے لیکن آپ نے انکار کر دیا کہ اگر میں یہاں نماز پڑھ لوں تو کل مسلمان یہاں اپنی مسجد بنا لیں گے۔ اس لئے آپ نے گرجا سے باہر نکل کر اس کی سیڑھیوں پر نماز ادا کی اور حفظِ ماتقدم کے طور پر بطریق کو یہ تحریر لکھ دی کہ آئندہ گرجا کی سیڑھیوں پر بھی نماز نہ پڑھی جائے اور نہ اذان دی جائے۔ غیر مذاہب کی عبادت گاہوں کے متعلق آں حضرتؐ اور آپؐ کے خلفاءؓ کا یہ رویّہ تھا اگر بعد کے مسلمان فاتحین نے اس سے تجاوز

کیا تو یہ ان کا انفرادی فعل تھا۔ اس لئے اسلام موردِ الزام نہیں۔

چونکہ بیت المقدس میں مسلمانوں کی چھاؤنی قائم ہو چکی تھی۔ اس لئے ایک مسجد کی اشد ضرورت تھی۔ آپ نے بطریق سے کوئی موزوں جگہ بتانے کی درخواست کی اور آخر اس کے مشورہ سے ایک مقام موسوم بہ "صخرہ" منتخب کیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں یہودیوں کی روایت کے مطابق حضرت یعقوبؑ نے اللہ تعالٰی سے کلام کیا تھا۔ چونکہ یہ جگہ عیسائیوں کے نزدیک متبرک نہ تھی اس لئے یہاں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ جگہ صاف کر کے مسجد بنا لی جائے اور آپ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹی وغیرہ اٹھانی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر میں مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی۔ جو آج مسجد عمرؓ کے نام سے مشہور ہے کچھ روز بیت المقدس میں قیام کرنے کے بعد حضرتِ عمرؓ مدینہ واپس چلے گئے۔

فتح مصر سنہ ۲۰-۱۹ء

ابتداً حضرت عمرو ابن العاص فلسطین (بیت المقدس) کی فتح پر مامور کئے گئے تھے۔ جب بیت المقدس فتح ہو گیا تو وہ اپنے آپ کو کچھ بیکار سا محسوس کرنے لگے۔ اسلام لانے سے پہلے آپ مصر وغیرہ کی سیر کر چکے تھے اور اس کی سرسبزی اور شادابی سے بہت متاثر تھے۔ اس کے علاوہ مصر رومی افواج کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اور سلطنتِ روم غلّہ وغیرہ کی ضروریات کے لئے مصر ہی کی محتاج تھی۔ حضرت عمرو ابن العاص کا خیال تھا کہ اگر مصر فتح ہو جائے تو اس سے رومی سلطنت کا ایک اور بازو کٹ جائے گا اور شام پر اسلامی تسلط بھی مضبوط ہو جائے گا۔ اس لئے طاعونِ عمواس کے بعد جب حضرت عمرؓ دوبارہ شام تشریف لائے تو انہوں نے حضرت

www.pdfbooksfree.pk

عمرو سے مصر پر حملہ کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ طبعاً محتاط تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی فتوحات کا دائرہ بلا سوچے سمجھے وسیع کیا جائے۔ اسلامی فوجیں اس وقت عراق، ایران اور شام کے دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور ابھی ان ملکوں کی مکمل تسخیر باقی تھی۔ اس کے علاوہ طاعونِ عمواس نے اسلامی طاقت کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ اس لئے پہلے تو حضرت عمرؓ نے تامل کیا لیکن جب حضرت عمرو ابن العاص نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے اجازت دے دی مگر ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ اگر مصر پہنچنے سے پہلے میرا خط پہنچ جائے تو واپس لوٹ آنا۔ کہتے ہیں کہ جب عمرو ابن العاص مصر کی سرحد پر پہنچے تو دربارِ خلافت سے واپسی کا حکم نامہ ملا۔ لیکن چونکہ وہ حدودِ مصر میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لئے اس کی تعمیل مناسب نہ سمجھی۔

مصر اس وقت سلطنتِ قسطنطنیہ کا ایک باجگزار صوبہ تھا۔ اس کے فرمانروا کو مقوقش کہتے تھے۔ مصریوں کی اکثریت قبطی قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ گو یہ مذہباً عیسائی تھے لیکن ان کا کلیسا قسطنطنیہ کے کلیسا سے الگ تھا اور اس لئے شاہانِ قسطنطنیہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ قبطیوں کو جبراً یونانی کلیسا کے ماتحت کر دیا جائے۔ مذہبی تعصب کی بنا پر وہ قبطیوں کو ہمیشہ تختۂ مشق بنائے رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے حملۂ مصر سے پہلے قبطیوں کا بطریقِ اعظم اسکندریہ سے بھاگ کر اندرونِ مصر میں روپوش ہو گیا تھا۔

حضرت عمرو ابن العاص مصر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے فرما پر بڑھے جو مشہور یونانی حکیم جالینوس کا مدفن ہونے کی وجہ سے کافی ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ ایک مہینہ کے محاصرے کے

بعد اہلِ فرما نے ہتھیار ڈال دئے۔ اس کے بعد اسلامی افواج عین شمس کی طرف بڑھیں جو مصر کے زیریں صوبے کا پایہ تخت اور مصر کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ مصر کا فرمانروا مقوقش عین شمس میں قلعہ بند ہو گیا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت کو دیکھ کر عمرو ابن العاص نے دربارِ خلافت میں امداد کی درخواست کی جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج حضرت زبیرؓ کی ماتحتی میں بھیجی۔ سات مہینے کی مسلسل کوشش کے باوجود قلعہ سر نہ ہو سکا۔ آخر ایک دن تنگ آ کر حضرت زبیرؓ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور اوپر پہنچ کر اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ قلعہ کے در و دیوار ہل گئے۔ اس سے قلعہ کے اندر ہلچل مچ گئی۔ محاصرین نے یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے ہیں اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ حضرت زبیرؓ نے دشمن کی بدحواسی سے فائدہ اُٹھا کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی۔

مقوقش نے زیادہ مزاحمت بیکار سمجھ کر ہتھیار ڈال دئے، اور مسلمانوں سے صلح کر لی۔ چونکہ یہ مقام فوجی لحاظ سے بہت اہم اور عرب سے قریب تر تھا۔ اس لئے حضرت عمرو ابن العاصؓ نے اس جگہ کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اس کا نام فسطاط مشہور ہو گیا۔ اس شہر کی وجہ تسمیہ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جب عمرو ابن العاص نے فوج کو سکندریہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور ان کا خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو اتفاق سے ان کی نگاہ کبوتروں کے گھونسلے پر پڑی۔ آپ نے حکم دیا کہ خیمے کو یہیں رہنے دو تاکہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ جب بعد میں وہاں شہر بس گیا تو اس کا نام فسطاط

www.pdfbooksfree.pk

مشہور ہوگیا۔ فسطاط عربی میں خیمے کو کہتے ہیں۔ آج کل فسطاط قاہرہ (موجودہ دارالخلافہ مصر) کا ایک حصّہ ہے۔

حمص کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ ابن العاص نے سکندریہ کا رُخ کیا جو اُس وقت دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی اور سلطنتِ روم میں قسطنطنیہ کے بعد اس کا نمبر تھا۔ قیصر روم کو جب مسلمانوں کے حملہ کی خبر ملی تو اس نے سکندریہ میں کافی فوج اتار دی۔ ادھر سکندریہ کا سمندر کے راستے قسطنطنیہ سے باقاعدہ ربط قائم تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس کی فتح میں بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ شہر کے رُومی گورنر نے تمام آبادی کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر فصیل پر کھڑے ہو جائیں تاکہ مسلمان ان کی اکثریت سے مرعوب ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم سے عورتیں بھی مستثنےٰ نہیں تھیں۔ کبھی کبھی رومی طیش میں آکر قلعہ سے باہر نکل کر حملہ کر دیتے تھے یا کبھی مسلمان ان کو دباتے دباتے قلعہ کے دروازے تک چھوڑ آتے۔ ایک دفعہ اسی طرح کے ایک معرکے میں چند مسلمان جن میں حضرت عمروؓ ابن العاص بھی شامل تھے رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے اور دیر تک قلعہ کے صحن میں ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لیکن آخر کار رومیوں نے مسلمانوں کو باہر دھکیل دیا اور قلعہ کے دروازے بند کر دیے۔ اس ہنگامے میں حضرت عمروؓ ابن العاص اور ان کے تین چار ساتھی قلعہ کے اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان کو زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ معاملہ کٹھن ہے تو یہ پیش کش کی کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلہ کے لئے نکلے اگر رُومی جوان مارا گیا تو وہ حضرت عمروؓ ابن العاص اور ان کے ساتھیوں کو باہر جانے کی اجازت دے دیں گے اور اگر مسلمان جوان مارا گیا تو ان سب کو بلا شرط ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ رومیوں کو معلوم نہ تھا کہ ان تین چار

مسلمانوں میں ان کا سردار بھی موجود ہے۔ بہرحال حضرت عمروؓ ابن العاص نے یہ شرط منظور کر لی اور خود مقابلہ کے لئے نکلنا چاہتے تھے۔ مگر ان کے ایک ساتھی مسلمہ نے ان کو روکا اور کہا کہ اگر فوج کے سردار پر کچھ آنچ آئی تو فوج میں ابتری پھیل جائے گی۔ ابھی رومی سوار سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ مسلمہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس پر رومیوں نے شرط کے مطابق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور حضرت عمروؓ اور ان کے ساتھی صحیح سلامت باہر نکل آئے۔

الغرض اس قسم کے معرکے ہر روز ہوتے تھے۔ لیکن سکندریہ فتح ہونے میں نہ آتا تھا اور اس کے محاصرہ میں تیرہ مہینے گزر گئے حضرت عمرؓ کو اس تاخیر سے بہت تشویش ہوئی آخر کار انہوں نے حضرت عمروؓ ابن العاص کو حکم دیا کہ جس دن میرا خط پہنچے، تمام فوج کو اکٹھا کر کے جہاد پر خطبہ دو اور فوراً حملہ کر دو۔ حضرت عمروؓ نے ایسا ہی کیا۔ اس سے بجھا ہوا جوش پھر تازہ ہو گیا اور مسلمانوں کے پہلے ہی حملہ میں سکندریہ فتح ہو گیا۔ اب تک صرف سکندریہ ہی ایسا شہر تھا جس کو فتح کرنے میں مسلمانوں کو اتنی دیر ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سکندریہ کو سمندر کے راستہ سے قسطنطنیہ سے رسد اور کمک پہنچتی رہتی تھی اور اب تک مسلمانوں کے پاس بحری بیڑہ نہ تھا جس کی مدد سے وہ سکندریہ کا قسطنطنیہ سے تعلق کاٹ سکتے سکندریہ کی فتح کے بعد سارا مصر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

سکندریہ کی فتح کے سلسلہ میں اس کے مشہور کتب خانے کی بربادی کے فرضی قصّے کا ذکر بھی ضروری ہے۔ عیسائی مؤرخین کی روایت کے مطابق جب سکندریہ فتح ہوا تو ایک عیسائی عالم بنام فلوپونس (PHILOPONUS) نے حضرت عمروؓ ابن العاص

www.pdfbooksfree.pk

سے درخواست کی کہ سکندریہ کا کتب خانہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت عمروؓ ابن العاص نے دربارِ خلافت سے ہدایات طلب کیں تو حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ اگر یہ کتابیں قرآنِ پاک کے مطابق ہیں تو ان کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر یہ خدا کی کتاب کے مطابق نہیں تو ان کو جلا دو۔ چنانچہ اس حکم پر عمل کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کتب خانے میں اس کثرت سے کتابیں تھیں کہ چھ ماہ تک سکندریہ کے حمام ان سے گرم کئے جاتے رہے یہ ہے عیسائی روایت کا خلاصہ۔ لیکن گبن۔ میور اور دوسرے غیر متعصب مورخین نے اس واقعہ کو محض افسانہ قرار دیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ عیسائی راہب فلوپونس مسلمانوں کے سکندریہ فتح کرنے سے سے ایک سو سال پہلے مر چکا تھا۔ نیز ہمعصر مورخین نے اس واقعہ کو محض افسانہ قرار دیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ عیسائی راہب فلوپونس مسلمانوں کے سکندریہ فتح کرنے سے ایک سو سال پہلے مر چکا تھا۔ نیز ہمعصر مورخین نے اس سانحے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ مسلمان مورخین جزوی اور غیر ضروری واقعات کو بھی بڑی تفصیل کے ساتھ لکھنے کے عادی تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتب خانے کی بربادی کا قصہ زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور اس کی بربادی میں حضرت عمرؓ یا مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے بہت پہلے یہ کتب خانہ ختم ہو چکا تھا۔

باب ۱۲

فتوحاتِ فاروقی پر ایک نظر

فاروقی فتوحات کی خصوصیات

۱۔ دنیا میں حضرت عمرؓ سے پہلے اور بعد بھی بہت سے فاتح اور کشور کشا ہو گزرے ہیں لیکن جو بات ہمیں فتوحاتِ فاروقی میں نظر آتی ہے وہ کہیں اور نہیں۔ آپ کی فتوحات کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی وسعت اور سرعت ہے۔ تاریخ کا طالب علم جب عہدِ فاروقی کی فتوحات کی وسعت اور سرعت کو دیکھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے۔ صرف دس سال کے عرصہ میں چین سے لے کر طرابلس تک تمام ممالک کا فتح ہو جانا بجائے خود ایک حیرت انگیز بات ہے۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایک ہی وقت میں اپنے وقت کی دو عظیم الشان سلطنتوں کو تہ و بالا کر دیا۔ جب ہم ان سلطنتوں کا عرب جیسے بے مایہ ملک سے تقابل کرتے ہیں تو ہماری حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے عربوں جیسی حقیر قوم کا ان دو عظیم الشان سلطنتوں کو آن کی آن میں تہ و بالا کر دینا تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔

۲۔ فتوحاتِ فاروقی کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ان ممالک کو فتح کرنے کے لئے وہ ہتھکنڈے ہرگز استعمال نہ کیے جو فاتحینِ عالم مفتوحہ علاقوں کو قابو میں رکھنے کے لئے عموماً

www.pdfbooksfree.pk

استعمال کرتے آئے ہیں۔ یعنی دہشت انگیزی، عام شہریوں کا قتلِ عام بستیوں کا ویران کرنا۔ دشمن کے علاقہ کو بالکل پامال کر دینا تاکہ وہ مرعوب ہو جائے اور اس میں مقابلہ کی سکت نہ رہے۔ اس کے برخلاف فتوحاتِ فاروقی میں شہروں کا قتل تو درکنار درختوں تک کو کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ بجز میدانِ جنگ کے دشمن کا کوئی شخص کہیں قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دشمن سے فریب اور بد عہدی کی سخت ممانعت تھی اور یہ بھی نہیں کہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں نے اسلامی حکومت کو بامرِ مجبوری قبول کر لیا ہو۔ بلکہ یہ لوگ دل و جان سے مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ جنگِ یرموک کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے شام کے کچھ علاقے خالی کرنے پڑے تو یہاں کی عیسائی رعایا روتی تھی اور دعا کرتی تھی کہ مسلمان پھر واپس آئیں اور یہودی تو توریت ہاتھ میں لے کر کہتے تھے کہ اب ہمارے جیتے جی قیصر یہاں نہیں آ سکتا۔

۳۔ دوسرے تمام فاتحینِ عالم مثلاً سکندر۔ جولیس سیزر۔ چنگیز، تیمور، نپولین وغیرہ صرف سپاہی تھے اور انہوں نے اپنی تمام عمریں جنگ کی نذر کر دی تھیں۔ نیز وہ میدانِ جنگ میں اپنی فوجوں کی خود کمان کرتے تھے۔ اس کے برخلاف حضرتِ عمرؓ تجارت پیشہ تھے۔ سپاہی نہ تھے اور آپ اپنی تمام مدتِ خلافت میں ایک بار بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑا جرنیل دُور سے اپنی فوجوں کو لڑا رہا ہے۔ بلاشبہ جوانی میں آپ نے فنِ سپہ گری میں مہارت حاصل کر لی تھی اور تقریباً تمام غزواتِ نبویؐ میں نمایاں حصّہ لیا تھا لیکن یہ آپ کی خلافت سے پہلے کے واقعات تھے۔ اس لحاظ سے فاتحینِ عالم میں آپ کی شخصیت ایک منفرد درجہ رکھتی ہے۔

۴۔ ایک اور بات جو آپ کو ان فاتحینِ عالم سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کی فتوحات دیرپا ثابت نہ ہوئیں۔ وہ ایسے بادل کی طرح تھے، جو آیا۔ برسا اور چھٹ گیا۔ اس کے برخلاف حضرتِ عمرؓ کی فتوحات اس قدر محکم اور پائیدار ثابت ہوئیں اور آپ نے مفتوحہ ممالک کے اسلامی نظام میں کچھ اس طریقے سے شیرازہ بندی کی کہ آج ساڑھے تیرہ سو سال گذرنے پر بھی ان ممالک میں اسلامی پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صرف جہانگیر ہی نہیں بلکہ جہاندار بھی تھے۔ جہاں اسلامی افواج پہنچتی تھیں وہاں فاروقی نظم و نسق فوراً قائم ہو جاتا تھا۔

۵۔ ان فتوحات کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ سوائے معرکۂ جسر کے مسلمانوں کو کہیں بھی شکست نہیں ہوئی۔ درآں حالیکہ دشمن کی تعداد ہر میدان میں دو ڈھائی لاکھ تک ہوتی تھی اور مسلمانوں کی تعداد کہیں تیس چالیس ہزار سے زیادہ نہیں بڑھی۔ اس کے علاوہ دشمن کے پاس بے پناہ سامانِ رسد ہوتا تھا۔ لیکن اس قلّت کے باوجود مسلمان ہر معرکہ میں فتح مند رہے۔

ان اسباب کی بنا پر ہم فاروقِ اعظم کو بلاشبہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح کہہ سکتے ہیں۔

فتوحاتِ فارُوقی کے اسباب

فتوحاتِ فاروقی کی وسعت اور سرعت دیکھ کر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ ان مٹھی بھر صحرا نشینوں نے کیوں کر اتنے تھوڑے عرصہ میں روم و ایران جیسی عظیم الشّان سلطنتوں کا تختہ الٹ دیا۔ ان سلطنتوں کو اس قدر غلبہ حاصل ہوتے ہوئے بھی یہ کس قدر حیرت انگیز ہے کہ سوائے واقعہ جسر کے مسلمانوں کو کسی میدان میں شکست نہیں ہوئی۔ یورپین مؤرخین نے ان حیرت انگیز فتوحات کا صرف ایک

www.pdfbooksfree.pk

ہی سبب بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایران و روم کی سلطنتیں اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں۔ ایران میں خسرو پرویز کے قتل کے بعد نظامِ حکومت درہم برہم ہو گیا تھا۔ صرف چار برس کے عرصہ میں چھ سات فرمانروا تختِ پر بیٹھے اور ان مدعیانِ سلطنت نے اپنے حریفوں کو ختم کرنے کے لئے شاہی خاندان کا صفایا کر دیا۔ تخت و تاج کے اس ردّ و بدل سے امراء کو اندرونی سازشوں کا موقعہ مل گیا اور اس سے نظامِ حکومت بالکل بگڑ گیا۔ ایران کے زوال کی ایک اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ نوشیرواں کے زمانے میں مزدک کا مذہب بہت زور پکڑ گیا تھا۔ چونکہ یہ ایران کے سرکاری مذہب کے خلاف تھا اس لئے نوشیرواں نے اسے بزورِ شمشیر دبا دیا لیکن وہ اس کو بالکل نہ مٹا سکا۔ جب مسلمان ایران میں پہنچے تو اس فرقہ کے حامیوں نے مسلمانوں کی امداد کی۔ ادھر سلطنتِ روم بھی اس وقت مذہبی مناقشات میں گرفتار تھی۔ شام و فلسطین میں نسطورین فرقہ بہت زور پکڑ گیا تھا اور مصر کے قبطی اپنا علیحدہ کلیسا رکھتے تھے۔ چونکہ قیاصرۂ روم کی طرف سے ان لوگوں پر بہت مظالم توڑے گئے تھے۔ اس لئے جب مسلمان آئے تو اس فرقہ نے مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر استقبال کیا۔ تیسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ نوشیرواں سے پہلے اور اس کے بعد ایران اور روم کی سلطنتیں ایک دوسرے کے خلاف کئی سال تک برسرِ پیکار رہی تھیں۔ کبھی قیاصرۂ روم دجلہ و فرات تک بڑھ کر ایران کو تاخت و تاراج کر دیتے تھے اور کبھی ایرانی رومیوں کو دھکیلتے ہوئے بحیرۂ روم تک لے جاتے تھے ان کی باہمی آویزش نے ان سلطنتوں کو اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔

ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں کہ یہ سلطنتیں کسی حد تک کمزور ہو چکی تھیں، اپنے نقطۂ عروج سے گر چکی تھیں اور باہمی جنگ و جدل نے ان کو کمزور کر دیا تھا لیکن اس حد تک نہیں کہ عرب جیسی بے مایہ قوم کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ کیا عرب کے مقابلہ میں واقعی یہ کمزور تھیں؟ ہرگز نہیں۔ عرب جیسے بے مایہ ملک کی ان کے سامنے حیثیت ہی کیا تھی۔ عربوں کے دل پر ان حکومتوں کا رعب اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ عرب کے وہ علاقے جو براہِ راست ان کے ماتحت نہ تھے وہاں کے لوگ بھی ان سے خائف رہتے تھے۔ جہاں تک مادی ذرائع کا تعلق ہے بے لاگ موازنہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ عظیم الشان سلطنتیں ہر لحاظ سے عربوں پر فوقیت رکھتی تھیں۔

اوّل: جہاں ان سلطنتوں کے لئے صرف ایک معرکے میں دو ڈھائی لاکھ فوج کا میدان میں لے آنا کچھ مشکل نہ تھا۔ وہاں کسی معرکہ میں مسلمانوں کی تعداد تیس چالیس ہزار سے زیادہ نہیں بڑھی۔ جتنی عددی فوقیت عربوں کے مقابلے میں ان سلطنتوں کو حاصل تھی۔ دنیا کی تاریخ میں کسی فریقِ جنگ کو آج تک حاصل نہیں ہوئی۔

دوم: ایرانیوں اور رومیوں کے پاس سامانِ جنگ اور رسد وغیرہ کی کوئی کمی نہ تھی۔ جنگ جاری رکھنے کے مادی ذرائع جو ان سلطنتوں کو میسر تھے، مسلمانوں کے پاس اس کا عشرِ عشیر بھی نہ تھا۔

سوم: فنونِ جنگ میں جس قدر یہ لوگ ماہر تھے۔ مسلمان اتنے ہی بے بہرہ تھے۔ ان کی فوجیں باقاعدہ تربیت یافتہ تھیں۔ ان کا ہر جرنیل فنونِ جنگ پر لکھی ہوئی کتابوں کا حافظ اور ان کا عملی تجربہ رکھتا تھا۔ ایرانی شہسواروں (Cavalry) اور رومن پیدل فوج

www.pdfbooksfree.pk

(Art of War) کا دُنیا بھر میں شہرہ تھا۔ ان کے مقابلے میں مسلمان قواعد سے ناواقف اور اس زمانے کے آلاتِ جنگ سے بالکل ناآشنا تھے ان کے جرنیلوں کو کبھی اتنی بڑی تعداد میں فوجیں لڑانے کا موقع نہ ملا تھا۔ خود، زرہ بکتر، جوشن، چار آئینہ، آہنی موزے جو ایرانی اور رومی سپاہیوں کے لازمی ہتھیار تھے۔ مسلمان ان کے نام تک نہ جانتے تھے۔ برعکس اس کے مسلمانوں کی زرہیں اکثر چمڑے کی ہوتی تھیں۔ اور ان کے تیر اور نیزے بچّوں کے کھلونے معلوم ہوتے تھے۔ ایک ایرانی افسر کا بیان ہے کہ جنگِ قادسیہ میں پہلی بار ہم نے عربوں کے تیر دیکھے تو ہم سمجھے کہ تکلے ہیں۔

چہارم: سب سے بڑھ کر یہ کہ ایرانیوں اور رومیوں کو اپنے ہی ملک کے اندر رہ کر جنگ لڑنی تھی، جہاں کے چپّے چپّے سے وہ واقف تھے اور جس کی مدافعت کے لئے ان کے پاس ہر قسم کی سہولتیں اور قلعے وغیرہ موجود تھے۔

پنجم: تاریخ کے ٹھوس حقائق بھی اس مفروضے کے خلاف ہیں کہ ایران و روم کی سلطنتیں کمزور ہو چکی تھیں کیا یہ حقیقت نہیں کہ اسلامی حملے سے صرف دس سال پہلے خسرو پرویز نے بیت المقدس اور اسکندریہ فتح کر لئے تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب یزدجرد تخت نشین ہوا اور اس نے اندرونی اصلاح کی طرف توجہ کی تو سلطنت کے پھر وہی پرانے ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ کیا قیصرِ روم ہرقل، وہی ہرقل نہیں تھا جس نے اسلامی حملہ سے تین چار سال قبل ایران کو تہ و بالا کر دیا تھا اور اس کو روندتا ہوا اصفہان کے دروازوں تک پہنچ گیا تھا۔ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ صرف چار یا دس سال کے عرصہ میں مذہبی تنازعات یا اندرونی ریشہ دوانیوں نے ان سلطنتوں کی جڑیں اتنی

کھوکھلی کر دی تھیں کہ وہ عربوں جیسی بے مایہ قوم سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ یہ سلطنتیں عرب کے مقابلہ میں کمزور تھیں حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

فتوحاتِ فاروقی کے اصلی اسباب تلاش کرنے میں ہمیں کسی کد و کاوش کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اوپر کے موازنہ کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ مسلمانوں نے فتح مادّی ہتھیاروں سے نہیں بلکہ روحانی ہتھیاروں سے حاصل کی۔ اسلام کی فتح فی الحقیقت مادی طاقتوں پر اخلاق کی فتح تھی، اور اس فتح کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ مسلمانوں کی فتح کا سب سے بڑا ہتھیار ان کا جذبۂ ایمان تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان۔ یہی وہ خفیہ ہتھیار تھا، جس نے ایک حقیر سی اقلیت کو اکثریت پر غالب کر دیا۔ محمدؐ نے ایک ایسی قوم کی تخلیق کی جو خدا کی ہستی پر یقینِ محکم رکھتی تھی۔ اور جن کے دل میں یہ خیال راسخ کر دیا گیا تھا کہ وہ حق پر ہیں۔ جب ان کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جاتا تھا کہ اللہ کی راہ میں فلاں کام کرنا ہے تو پھر دنیا کی کوئی چیز انہیں ادائیگیٔ فرض سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، نہ انہیں جان کی پروا ہوتی تھی، نہ بیوی بچوں کی محبت، نہ مال و دولت کا لالچ اور نہ کسی دنیاوی طاقت کا خوف۔ اس ادائیگیٔ فرض کے ماتحت مسلمانوں نے ایسے ایسے بہادرانہ کارنامے سرانجام دئے کہ دنیا آج بھی ان پر انگشت بدنداں ہے۔ اسلام نے موت کا ڈر ان کے دل سے نکال دیا تھا، بلکہ شہید کی موت مرنا ہر مسلمان کی تمنّا تھی۔

۲۔ مسلمانوں کی فتح کا دوسرا سبب ان کا اعلیٰ اخلاق تھا۔ اسلام

www.pdfbooksfree.pk

نے ان کے اندر بے پناہ جوش، عزم واستقلال، عدل و انصاف، دیانت داری اور راست بازی پیدا کر دی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب ہرقل نے اپنے مشیروں سے دریافت کیا کہ عربوں کے غلبہ کی کیا وجہ ہے؟ تو ایک بوڑھے مشیر نے جواب دیا کہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اخلاق، ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ یہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کرتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ سب ایک دوسرے کو اپنے برابر سمجھتے ہیں، ان کے اندر ہمت اور استقلال ہے"۔ ان اوصاف نے مفتوح اقوام کو اسلامی حکومت کا گرویدہ بنا دیا تھا جنگِ یرموک کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو عارضی طور پر شام کے بعض اضلاع خالی کرنے پڑے تو وہاں کے عیسائی باشندے رو رو کر دعا کرتے تھے کہ خدا تمہیں پھر واپس لائے۔

۳۔ مسلمانوں کی فتوحات میں ایک اور چیز جس نے مدد دی، وہ ان کا بے نظیر اتحاد تھا۔ اس اتحاد نے انہیں بے پناہ طاقت بخش دی تھی اسلام سے پہلے قبیلہ، قبیلے کا دشمن تھا اور باہمی جنگ و جدل کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا۔ لیکن رسول اکرمؐ کے معجزوں میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپؐ نے ان قبائل کو ایسا شیر و شکر کر دیا کہ وہ ایک دوسرے پر جانیں فدا کرتے تھے۔ وہ قرآنِ پاک کے الفاظ میں فی الحقیقت "بنیانٌ مرصوص" یعنی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے کہتے ہیں کہ جب مشہور ایرانی سپہ سالار ہرمزان قید ہو کر مدینہ آیا اور حضرتِ عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو اس نے ایرانیوں کی شکست کی یہ وجہ بتلائی کہ "اے عمر! زمانۂ جاہلیت میں جب خدا نہ ہمارے ساتھ تھا نہ تمہارے ساتھ تو ہم تم پر غالب رہتے تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے تو تم ہم پر غالب ہو"۔ حضرت عمرؓ نے جواب

دیا کہ: "زمانۂ جاہلیت میں تم اس لئے ہم پر غالب رہتے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم متفرق"۔

۴۔ ایک اور چیز جس نے فتوحاتِ فاروقی میں آسانیاں پیدا کیں، یہ تھی کہ جن علاقوں پر مسلمانوں نے پہلے پہل حملے کئے وہاں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں غسانی خاندان کی حکومت تھی۔ اسی طرح سلاطین حیرہ (عراق) بھی عرب تھے۔ گو یہ لوگ عیسائی ہو گئے تھے اور اوّل اوّل انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ بھی کیا لیکن بعد میں قومیت کے جذبے کے ماتحت وہ مسلمانوں کے مددومعاون بن گئے۔ مصر میں عرب تو نہیں تھے۔ لیکن وہاں کے باشندے قیصر کی حکومت سے سخت نالاں تھے اور مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔

۵۔ سب سے آخر میں اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ فتوحاتِ فاروقی میں خود حضرتِ عمرؓ کا بھی بڑا حصہ تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے اندر ایک عجیب وغریب روح پھونک دی تھی۔ تمام فوج کا نظم ونسق اور نقل وحرکت آپ کے ہاتھ میں تھی۔ بلکہ عراق کی مہم میں تو آپ نے خود سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کو حکم تھا کہ ہر منزل کے متعلق تفصیلی حالات اور نقشے بھیجیں۔ آپ ان کو دیکھ کر مناسب ہدایات جاری کرتے تھے۔ قادسیہ کا میدانِ جنگ حضرتِ عمرؓ ہی کا تجویز کردہ تھا۔ اسلامی مورخین نے عراق کی فتوحات کے متعلق تو تفاصیل بہم پہنچائی ہیں، ان کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے فوجوں کو لڑا رہا ہے اور تمام فوج پتلی کی طرح اس کے اشاروں پر حرکت کر رہی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۲

عہدِ فاروقی کے متفرق واقعات

اور

آپ کی شہادت

طاعونِ عمواس اور دوبارہ سفرِ شام

سنہ ۱۷ھ کے آخر میں شام اور فلسطین میں سخت طاعون پھیل گئی۔ تاریخِ اسلام میں اس کو طاعونِ عمواس کہتے ہیں۔ عمواس شام میں ایک شہر کا نام ہے۔ یہ وبا غالباً وہاں سے شروع ہوئی اور اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ حضرتِ ابو عبیدہؓ۔ معاذ بن جبل، کئی دیگر صحابی اور ہزاروں مسلمان اس کی نذر ہو گئے۔ حضرتِ ابو عبیدہ کے بعد معاذ بن جبل شام و فلسطین کے گورنر مقرر ہوئے، لیکن تھوڑے وقفہ کے بعد وہ بھی اس وبا کا شکار ہو گئے۔ معاذ کے بعد حضرت عمرو ابن العاص نے فوج کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا۔ جب جا کر اس موذی وبا سے نجات ملی۔ اس کے باوجود پچیس ہزار مسلمان لقمۂ اجل ہو گئے۔ جب حضرتِ عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو آپ حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر شام روانہ ہوئے۔ اس وقت تک حضرتِ ابو عبیدہؓ زندہ تھے۔ شام کی سرحد پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ

وبا کی شدت بڑھ گئی ہے۔ آپ نے حضرتِ ابو عبیدہ اور دوسرے معززین سے جو استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے، مشورہ کیا کہ سفر جاری رکھا جائے یا نہ۔ حضرتِ ابو عبیدہؓ کی رائے تھی کہ تقدیرِ الٰہی سے کوئی مفر نہیں۔ لیکن حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے آنحضرتؐ کی یہ حدیث بیان کی کہ "اگر کسی شہر میں وبا ہو، وہاں نہ جاؤ اور اگر تم پہلے سے وہاں موجود ہو تو اس سے مت بھاگو"۔ آپ نے اس رائے کو پسند کیا اور مدینہ واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو پھر شام کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس وبا نے کئی نئے حالات پیدا کر دیئے تھے جن کا انتظام ضروری تھا۔ اس ناگہانی حادثہ سے فتوحاتِ شام کا سلسلہ دفعتاً رک گیا۔ اور یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں قیصرِ روم، شام پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ نیز جو لوگ وبا کی نذر ہوئے ان کے بیوی بچوں اور مال و اسباب کا کوئی مناسب انتظام نہ تھا۔ حضرتِ ابو عبیدہ اور دوسرے افسروں کے فوت ہونے کی وجہ سے کئی جگہیں خالی ہو گئی تھیں، اُن کو پُر کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا طاعون سے پیدا شدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ نے ضروری سمجھا کہ شام دوبارہ جائیں۔ اس دفعہ آپ ایلیہ (AYLA) (جنوبی فلسطین میں ایک مقام) تک گئے۔ اس سفر میں آپ کا کھدر کا کرتہ کجاوے سے رگڑ کھا کر پھٹ گیا تھا۔ ایلیہ کے بڑے پادری (بشپ) نے آپ کا کرتہ اپنے ہاتھ سے مرمت کیا اور ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا اور اپنا پرانا کرتہ ہی زیب تن کیا۔ کیونکہ وہ پسینے کو اچھی طرح جذب کر سکتا تھا۔ ایلیہ سے واپسی پر آپ کچھ عرصہ دمشق ٹھہرے اور وہاں طاعون کی وجہ سے جو نئے حالات پیدا ہو گئے تھے، ان کی جگہ نئے افسر مقرر کئے اور پھر مدینہ واپس

www.pdfbooksfree.pk

آ گئے۔ یاد رہے کہ حضرتِ معاویہ بن ابو سفیان اسی وقت اپنے بھائی یزید بن ابو سفیان کی جگہ شام کے گورنر مقرّر کئے گئے۔ بعد میں وہ حضرتِ عثمانؓ اور حضرتِ علیؓ کے دورانِ خلافت میں بھی اسی عہدہ پر فائز رہے۔

قحطِ حجاز ۱۸ھ

۱۸ھ میں عرب میں زبردست قحط پڑا۔ حضرتِ عمرؓ نے اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے بہت اچھا انتظام کیا۔ ممالکِ مفتوحہ سے خوراک کے ذخائر حاصل کئے گئے اور انہیں غربا میں مفت تقسیم کیا گیا۔ اس ضمن میں آپ کی رعایا کی خبرگیری کے کئی قصے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس قحط کے دوران میں آپ نے قسم کھالی تھی کہ آپ شہد اور گھی کا استعمال نہیں کریں گے۔ کچھ عرصہ آپ روٹی زیتون کے تیل (جو عرب میں غربا کی غذا ہے) کے ساتھ کھاتے رہے جس کے مسلسل استعمال سے آپ کی صحت بگڑ گئی۔ ایک دن آپ کا ایک ملازم آپ کی اجازت کے بغیر بازار سے گھی اور شہد خرید لایا۔ مگر آپ نے ان چیزوں کو کھانے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر میں خود تکلیف نہ اُٹھاؤں تو دوسروں کے دکھ کا اندازہ کس طرح کر سکتا ہوں۔

حضرتِ خالدؓ بن ولید کی برطرفی ۱۸ھ

۱۸ھ کا ایک اور مشہور واقعہ حضرتِ خالدؓ بن ولید کی برطرفی ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتدائے خلافت میں حضرتِ خالدؓ کو شام میں اسلامی افواج کی سپہ سالاری سے معزول کر دیا تھا۔ کیونکہ حضرتِ خالدؓ نے حسابات دینے سے انکار کر دیا تھا اور یہ عذر پیش کیا تھا کہ وہ حضرتِ ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں اس بنا پر حضرتِ عمرؓ نے ان کو

سپہ سالاری سے الگ کر کے حضرتِ ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ ۱۸ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ حضرتِ خالدؓ نے ایک شاعر کو ایک ہزار دینار بطور انعام دیئے ہیں۔ حضرتِ عمرؓ نے حضرتِ ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ اگر یہ انعام بیت المال سے دیا گیا ہے تو خیانت ہے اور اگر اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف ہے۔ دونوں صورتوں میں حضرتِ خالدؓ سے مواخذہ کیا جائے۔ آپ سے برسرِ عام جواب طلب کیا گیا اور جب آپ کوئی تسلّی بخش جواب نہ دے سکے تو حضرتِ عمرؓ کے بھیجے ہوئے قاصد نے آپ کی ہدایات کے مطابق آپ کے ہاتھ آپ ہی کی پگڑی سے باندھ دیئے۔ اب حضرتِ خالدؓ نے اعتراف کیا کہ یہ رقم انہوں نے اپنی گرہ سے دی ہے۔ اس پر ان کو رہا کر دیا گیا لیکن ساتھ ہی انہیں مدینہ واپس آنے کا حکم ملا۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت عمرؓ کے رعب اور دبدبے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہاں اس بات کا بھی پتہ چل سکتا ہے کہ خالدؓ جیسا عظیم الشان فاتح بھی اپنے امیر کا کس حد تک اطاعت گذار تھا اور مسلمانوں کا ڈسپلن کتنا مضبوط تھا۔ جب حضرت خالدؓ مدینہ پہنچے تو آپ نے حضرت عمرؓ سے اس ناروا سلوک کی شکایت کی۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ بخدا تم مجھے اب بھی اتنے ہی محبوب ہو جتنا کہ پہلے تھے۔ بعد میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خالدؓ کو اس لئے معزول کیا تھا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ تمام فتوحات خالدؓ ہی کے دم سے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۳ھ

ابو لولو فیروز ایک پارسی نژاد عیسائی تھا جو ایک صحابی مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ اس زمانے میں دستور تھا

www.pdfbooksfree.pk

کہ غلام جو کچھ کماتے تھے، اس کا کچھ حصہ انہیں اپنے مالکوں کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن فیروز نے حضرتِ عمرؓ سے شکایت کی کہ مغیرہ مجھ سے بہت زیادہ مالکانہ وصول کرتے ہیں۔ آپ اسے کم کر دیجئے۔ آپ نے پوچھا تم کتنی رقم ادا کرتے ہو اور کیا کام کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: "دو درہم روزانہ اور پیشہ نجاری، نقاشی اور آہن گری"۔ آپ نے فرمایا "تمہارے کام کی نسبت یہ رقم زیادہ نہیں" فیروز اس فیصلہ سے ناراض ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن صبح مسجد میں آیا جیسے ہی حضرتِ عمرؓ نے نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً صفِ اوّل سے نکل کر حضرتِ عمرؓ پر پانچ چھ مسلسل وار کئے۔ حضرتِ عمرؓ زخمی ہو کر گر پڑے اور حضرتِ عبدالرحمان بن عوف نے نماز ختم کرائی۔ کچھ لوگ فیروز کو پکڑنے کے لئے بڑھے، اس نے ان کو بھی زخمی کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ فرار کی کوئی راہ نہیں تو خودکشی کر لی۔ نماز کے بعد آپ کو زخمی حالت میں گھر پہنچایا گیا۔ جب ہوش آیا تو پوچھا کہ میرا قاتل کون تھا؟ جواب ملا: ابو لؤلؤ فیروز۔ آپ نے فرمایا "الحمد للّٰہ! میرا قاتل مسلمان نہیں"۔

زخم کاری تھا، اس لئے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ مرتے وقت آپ کی یہ تمنّا تھی کہ آپ کو رسولِ اکرمؐ اور حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اس لئے آپ نے اپنے لڑکے عبداللہ کو حضرتِ عائشہ صدیقہ کے پاس حجرۂ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرتِ عائشہؓ نے فرمایا کہ "یہ جگہ میں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی لیکن عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں"۔ عبداللہ نے واپس آکر خوشخبری سنائی تو فرمایا کہ "میری سب سے بڑی آرزو پوری ہوئی"۔ اس کے بعد آپ نے اپنے نجی

معاملات کے متعلق چند وصیّتیں کیں۔ اپنا جانشین نامزد کرنے کا فیصلہ آپ آخر دم تک نہ کر سکے۔ آپ کی نظر میں کئی اصحاب تھے لیکن آپ اپنے معیار کے مطابق سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ آخر آپ نے یہ وصیّت کی کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت زبیرؓ، حضرتِ طلحہؓ اور حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف۔ ان چھ اصحاب میں سے جس کے حق میں کثرتِ رائے ہو جائے وہی خلیفہ چن لیا جائے۔ آخر تین دن زخمی رہنے کے بعد آپ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو وفات پاگئے۔ مرتے وقت رسولِ اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کی طرح آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ مدّتِ خلافت دس سال چھ مہینے چار دن۔

سیرتِ عمرؓ

حضرتِ ابوبکرؓ کی طرح، حضرتِ عمر بھی اسلامی اخلاق کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ آپ کی سیرت میں جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ سنّتِ رسولؐ کی پابندی ہے۔ آپ کسی حالت میں بھی سنّتِ نبوی سے تجاوز نہیں کرنا چاہتے تھے روزانہ زندگی کی معمولی سے معمولی بات میں سنّتِ رسول کی پیروی ضروری سمجھتے تھے اور حکومت کے تمام عہدیداروں کو پابندیٔ سنّت کے متعلق تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے۔ سادگی آپ کی سیرت کا ایک اور روشن پہلو تھا۔ آپ نہ صرف دوسروں کو تفاخر اور ذاتی نمود سے روکتے تھے، بلکہ خود بھی سادگی کی مجسّم تصویر تھے۔ زندگی کے کسی دور میں آپ کی سادگی میں فرق نہ آیا۔ آپ کے پاس روزانہ لباس کے لئے موٹے کھدّر کے چند کپڑے ہوتے تھے۔ جن میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات صرف ایک ہی جوڑے پر اکتفا کرتے تھے اور اس کو بار بار دھو کر استعمال کرتے

www.pdfbooksfree.pk

کرتے تھے۔ حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے ان کے لباس میں بارہ پیوند شمار کئے۔ آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص آپ کے لباس سے شناخت نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ہی مسلمانوں کے عظیم الشان فاتح ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفراسے برسرِ عام اسی لباس میں ملتے تھے۔

گو آپ فطرتاً مزاج کے سخت واقع ہوئے تھے، لیکن اسلام نے ان میں نرمی پیدا کر دی تھی اور خلافت کے بعد تو اور بھی نرم دل ہو گئے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے مرتے وقت آپکو اپنا جانشین نامزد کیا اور بعض صحابہ نے آپ کی سختیٔ مزاج کی شکایت کی تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر ان کی شکایت کو رد کر دیا کہ آپ کی سختی میری نرمی کی وجہ سے ہے۔ جب خلافت کا بار سنبھالیں گے تو خود بخود نرم ہو جائیں گے اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے معاملہ میں، میں جھاگ سے بھی زیادہ نرم اور پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوں۔

آپ کی اصابت رائے بھی مسلّم تھی۔ جب آپ کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرتے تھے تو بعد کے واقعات آپ کے فیصلہ کو صحیح ثابت کر دیتے تھے اسلامی شریعت کے بہت سے احکام آپ ہی کے استفسار کے جواب میں نازل ہوتے۔ اذان کے متعلق آپ ہی کی تجویز منظور کی گئی۔ پردہ اور شراب کی حرمت کے متعلق آپ ہی کے پوچھنے پر آیات اتریں۔ آپ ہی کی تجویز پر حضرت ابوبکرؓ نے قرآنِ کریم کی تدوین کی۔ مہماتِ ملکی میں بھی اکثر آپ کا فیصلہ ٹھیک ثابت ہوا۔ اگرچہ صحابہ کی اکثریت اس کی مخالف ہوتی تھی۔ ممالکِ مفتوحہ کی زمینوں کے متعلق تمام صحابہ کی یہ رائے تھی کہ اسے فوج میں بطورِ جاگیر تقسیم کر دیا جائے۔ مگر آپ نے اس کی مخالفت کی اور اس طرح

خلافتِ اسلامیہ کو جاگیرداری نظام کی لعنتوں سے بچا لیا۔

آپ جمہوریت اور آمریت کا ایک لطیف امتزاج تھے۔ ایک طرف تو یہ رعب اور دبدبہ کہ حضرت خالدؓ بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے جلیل القدر فاتح آپ کے سامنے دم نہ مار سکتے۔ اور دوسری طرف یہ جمہوریت نوازی کہ ایک معمولی سا بدو آپ کو برسرِ عام کسی مسئلہ کے متعلق ٹوک رہا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق بھی کئی واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی طرح آپ کا بھی یہ اصول تھا کہ جن معاملات کے متعلق کتاب اللہ اور سنّتِ رسول میں کوئی صاف حکم نہیں مل سکتا تھا۔ آپ انہیں مجلس شوریٰ میں پیش کر دیتے تھے اور بغیر اکابر صحابہ کی رائے کے کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ دورِ فاروقی کی ایک اور خصوصیت مساوات ہے۔ سنّتِ رسول کی پیروی کرتے ہوئے آپ نے تمام امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا۔ اس کا عملی ثبوت خود ان کی ذات تھی۔ آپ نے ثابت کر دکھایا کہ قانون کی نظر میں عمرؓ اور ایک معمولی مسلمان برابر ہیں۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت بنی غسان کے ایک فرمانروا جبلہ نے ایک مسلمان کو اس جرم میں تھپڑ مار دیا کہ اس کی چادر پر اس مسلمان کا پاؤں جا پڑا تھا۔ اس مسلمان نے تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دیا۔ جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ اور کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ گستاخی کی ہے۔ اس لئے قتل کا سزاوار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں جاہلیت میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا ہے۔ تم نے جیسا کیا ویسا پایا"۔ کہتے ہیں کہ جبلہ اس پر ناراض ہو گیا۔ اور قسطنطنیہ جا کر پھر عیسائی ہو گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

رعایا کی خبر گیری میں کوئی بادشاہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد صحنِ مسجد میں بیٹھ جاتے اور لوگوں کی شکایات بر سرِ عام سنتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان کا ازالہ کرتے۔ آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ ہر سال مختلف علاقوں سے وہاں کے لوگوں کے وفد بُلا بھیجتے اور ان سے جزوی حالات تک پوچھتے۔ سفر میں جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے۔ رعایا کی ذرا سی تکلیف پر آپ بے چین ہو جاتے۔ تاریخوں میں اس قسم کے کئی واقعات مذکور ہیں کہ آپ نے مفلوک الحال لوگوں کی امداد کے لئے اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا اور ان کو کھلایا۔ جب عرب میں قحط پڑا تو آپ نے تمام لذاتِ دُنیا ترک کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی صحت بگڑ گئی۔ مگر آپ نے اس کی بالکل پروا نہ کی۔ آپ کے زمانے میں بیت المال کے دروازے نادار مسلمانوں اور غیر ذمیوں پر یکساں طور پر کھلے ہوئے تھے اور بلا قیدِ مذہب و ملّت سب کی پرورش ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے۔ جس کی نظیر آج کل کا مہذّب دَور بھی نہیں دے سکتا۔

عِلم و فضل میں بھی آپ کا درجہ کسی سے کم نہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں جب تمام عرب میں پڑھے لکھے اشخاص کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی، آپ کا شمار فضلا میں ہوتا تھا۔ آپ عربی کے علاوہ سریانی بھی جانتے تھے اور توریت اور انجیل پڑھ سکتے تھے۔ فصاحت، بلاغت، انشاء اور خطابت، شاعری اور سپہ گری میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی بہت سی تقریریں اور تحریریں، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں

محفوظ ہیں۔ الغرض آپ ایک عجیب و غریب جامعِ کمالات شخصیت تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۳

حضرتِ عمرؓ کا نظامِ حکومت (۱)

اصلاحات

طرزِ حکومت۔ جمہوریت اور آمریت کا لطیف امتزاج:

حضرتِ ابوبکرؓ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں اسلامی جمہوریت کا جو بیج بویا تھا وہ حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں بار آور ہوا۔ حضرتِ عمرؓ نے اسی بنیاد پر اپنا نظامِ حکومت قائم کیا۔ آپ کا یہ اصول تھا کہ کوئی معاملہ بغیر اہل الرائے صحابہ کے مشورہ کے سرانجام نہ دیتے تھے۔ آپ مسلمانوں کو خطاب کر کے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے "میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ میری حیثیت تمہاری جماعت میں ایک فرد کی ہے، میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو"۔ (تاریخ اسلام معین الدین، دوم ۲۰۲)

آپ کے زمانے میں دو طرح کی مجالسِ شوریٰ کا وجود نظر آتا ہے ایک تو چھوٹی سی مجلسِ شوریٰ جس میں صرف بڑے بڑے صحابہ مدعو ہوتے تھے، اس کے اجلاس تقریباً ہر روز ہوتے تھے اور کوئی اہم معاملہ اس کی حدودِ اختیارات سے باہر نہیں تھا۔ یہاں تک کہ گورنروں اور دیگر عہدیداروں کی تقرری اور برطرفی کے معاملات بھی اسی مجلس میں پیش

ہوتے تھے اس کے ممتاز ارکان یہ تھے۔ حضرتِ علیؓ، حضرتِ عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرتِ معاذ بن جبل اور زید بن ثابتؓ۔ اس چھوٹی مجلسِ شوریٰ کے علاوہ بعض خاص امور کے لئے مجلسِ عام بھی منعقد کی جاتی تھی۔ جب کبھی ایسا معاملہ پیش آتا تھا جس میں عوام کی رائے معلوم کرنا ضروری معلوم ہوتا تھا تو منادی کرادی جاتی تھی، کہ سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرتِ عمرؓ نماز کے بعد خطبہ دیتے تھے اور اس کے بعد بحث طلب معاملہ حاضرین کے سامنے پیش کر دیا جاتا تھا۔ ان مجالس میں ہر مسلمان کو آزادانہ رائے دینے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق ہوتا تھا۔ ان عام مجالس میں معمولی سے معمولی آدمی بھی حضرتِ عمرؓ کو ٹوک دیتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں۔

حضرتِ عمرؓ نے مشورہ کے اصول کو یہاں تک وسیع کیا کہ مدینہ کے علاوہ بیرونی علاقوں کے اہل الرائے حضرات کو بلا کر ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو عراق کے محاصل کے متعلق شبہ ہوا کہ کہیں یہ جبر سے وصول نہ کئے جاتے ہوں۔ آپ نے کوفہ کے دس ممتاز افراد کو بلا بھیجا اور ان سے حلفیہ بیان لیا کہ ایسا نہیں ہے (انگلستان میں پارلیمنٹ کی ابتدا اس طریقے سے ہوئی، کہ بادشاہ مختلف علاقوں کے معززین کو بلا بھیجتا تھا، اور ان سے ٹیکسوں وغیرہ کے بارے میں مشورہ کرتا تھا، بعد میں یہی لوگ عوام کے دوٹوں سے منتخب کئے جانے لگے) حضرتِ عمرؓ کے پاس اس قسم کے وفد ہر سال آتے رہتے تھے، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ بعض معاملات میں غیر مسلموں کا مشورہ بھی ضروری خیال کرتے تھے۔ عراق کے بندوبستِ مالگزاری میں وہاں کے ایرانی رئیسوں اور جاگیرداروں

www.pdfbooksfree.pk

کو بلا کر مشورہ کیا گیا۔ اسی طرح مصر کے انتظام کے متعلق وہاں کے سابق حکمران مقوقس سے مشورہ طلب کیا اور ایک قبطی کو مدینہ بلا بھیجا۔ عوام کو حکومت کے انتظام میں یہاں تک دخل تھا کہ بعض اوقات صوبوں کے گورنر رائے عامہ معلوم کر کے مقرر یا منتقل کیے جاتے تھے۔ مثلاً تاریخوں میں مذکور ہے کہ سعد بن ابی وقاص فاتح قادسیہ کو کوفہ کے لوگوں کی شکایت پر کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ اسی طرح جب کوفہ، بصرہ اور شام کے لئے عمالِ خراج مقرر کیے جانے لگے تو ان تینوں صوبوں کے اہل الرائے اصحاب کو اختیار دیا کہ وہ سب سے زیادہ دیانت دار اور قابل اشخاص کو نامزد کریں۔ چنانچہ ان تینوں صوبوں سے جو نام تجویز ہوئے حضرت عمرؓ نے انہی کو مقرر کیا۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بیرونی اضلاع سے ہر سال آپ کے پاس وفد آتے تھے جو آپ کو وہاں کے حالات سے باخبر رکھتے تھے۔ الغرض آپ نے رائے عامہ کو معلوم کرنے کے لئے ہر قسم کے ذرائع جو اس زمانے میں ممکن تھے، استعمال کیے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپ کو وسیع اختیارات حاصل تھے، جنہیں آئینی اصطلاح میں (DISCRETIONERY POWERS) کہا جاتا ہے، وہی اختیارات جو صدر جمہوریہ امریکہ کو بعض خاص حالات میں حاصل ہیں۔ لیکن ان سے اس کے جمہوری ہونے پر زد نہیں پڑتی۔

ان تمام باتوں سے بالاتر ایک بات جو آپ کے نظامِ حکومت میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے حضرتِ ابوبکرؓ کے نقش قدم پر چل کر خلیفہ کی وہی حیثیت قرار دی جو ملت کے ایک معمولی فرد کی ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے عمل ... سے ثابت کیا کہ خلیفہ کو دوسرے افراد کی بہ نسبت کوئی خاص مراعات حاصل

نہیں ہیں اور وہ قانون کی زد سے باہر نہیں۔ آپ نے اپنے لئے وہی وظیفہ مقرر کیا جو دوسرے بدری صحابہ کا تھا۔ ذاتی معاملات میں ہر شخص آپ کے خلاف چارہ جوئی کر سکتا تھا اور آپ عام آدمیوں کی طرح مدّعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک معزز صحابی کے ساتھ آپ کا جھگڑا ہو گیا اس نے مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ زید نے آپ کی تعظیم کرنی چاہی۔ اس پر آپ سخت ناراض ہوئے۔ اس کے بعد قاعدہ کے مطابق مدعی نے آپ سے قسم لینی چاہی۔ مگر زید آپ کو بحیثیت خلیفہ اس سے مستثنیٰ رکھنا چاہتے تھے، اس ترجیحی سلوک پر آپ پھر ناراض ہوئے۔

مُلکی تقسیم

اسلام میں حکومت کی داغ بیل اگرچہ حضرتِ ابوبکرؓ کے زمانے میں پڑ چکی تھی۔ لیکن ایک تو ان کا دورِ حکومت اس قدر مختصر تھا اور دوسرے انہیں اندرونی فتنوں اور بیرونی مہمات سے اتنی فرصت نہ تھی۔ کہ وہ کوئی خاص نظامِ حکومت قائم کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے جہاں ایک طرف فتوحات کے دائرے کو وسیع کیا وہاں دوسری طرف ایک مضبوط نظامِ حکومت کی بھی بنیاد رکھی اور اپنی زندگی ہی میں حکومت کے جس قدر محکمے ہوتے ہیں قائم کر دئیے۔ آپ نے مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا اور وہ یہ تھے، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ (دجلہ اور فرات کا درمیانی علاقہ) بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین، مشرق میں پرانی ایرانی سلطنت کے تین صوبے فارس۔ خراسان اور آذربائیجان علیٰ حالہٖ قائم رہنے دیئے۔ بعض انتظامی سہولتوں کے مدِ نظر کئی صوبے دو حصوں میں تقسیم کر دئے گئے۔

www.pdfbooksfree.pk

مثلاً فلسطین پہلے ایک صوبہ تھا۔ آپ نے اس کے دو حصے کر دئے۔ ایک کا صدر مقام ایلہ (AYLA) اور دوسرے کا رملہ (RAMLEH) قرار پایا۔ اسی طرح مصر بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ بالائی مصر اور زیریں مصر۔ ان کے علیحدہ علیحدہ گورنر تھے اور عمرو ابن العاص تمام مصر کے گورنر جنرل تھے۔ ہر صوبے میں کم از کم سات بڑے بڑے عہدیدار ہوتے تھے (۱) والی (یا گورنر) اسی لئے تمام اسلامی حکومتوں میں صوبے کو ولایت کہتے تھے (۲) کاتب (یا ناظم دفاتر) (۳) کاتبِ دیوان (فوج کا میر منشی) (۴) صاحب الخراج (عامل یا محصولات جمع کرنے والا) (۵) احداث (ناظم پولیس) (۶) صاحب بیت المال (افسرِ خزانہ) اور (۷) قاضی (یعنی جج یا منصف)۔

عہدیداروں کا انتخاب اور ان پر احتساب

حضرت عمرؓ عہدیداروں کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ آپ کی نظر کچھ ایسی جوہر شناس تھی کہ صحیح کام کے لئے صحیح شخص کا انتخاب کرتے تھے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا تھا کہ آپ کا انتخاب غلط ثابت ہو۔ عہدیداروں پر احتساب کے متعلق آپ کا یہ اصول تھا کہ ایک عامل کے تقرر کے وقت اس کو ایک سند عطا ہوتی تھی جس میں اس کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی۔ جب عامل اپنے مرکزِ حکومت میں پہنچتا تھا تو یہ سندِ اختیارات مجمع عام میں پڑھ کر سنائی جاتی تھی تاکہ خاص و عام کو اس کے اختیارات کی حدود معلوم ہو جائیں اور وہ ان حدود سے بڑھنے نہ پائے۔ تقرری کے وقت عہدیداروں کی جائیداد اور مال و اسباب کا جائزہ لیا جاتا تھا اور اختتامِ عہدہ پر اگر زائد مال نکلتا تھا، تو آدھا مال ضبط ہو کر بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ تمام عمال کو حج کے

موقعہ پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا اور ہر شخص کو اعلانِ عام کے ذریعہ دعوت دی جاتی تھی کہ ان عمال کے خلاف کوئی شکایت ہو تو پیش کی جائے۔ آپ وہیں مجمع عام میں ان شکایات کا ازالہ فرماتے تھے بعض اوقات آپ ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیتے تھے جو ایک یا زیادہ صحابہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ عمال کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات کے لئے آپ نے ایک بہت ہی رتبہ کے صحابی کو مقرر کیا ہوا تھا جو موقعہ پر جاکر تحقیقات کرتے تھے اور اس کی رپورٹ حضرت عمرؓ کو پیش کرتے تھے تاریخ میں اس قسم کے کئی واقع مذکور ہیں۔ ایک دفعہ جزیرہ کے والی عیاض بن غنم کے متعلق شکایت ہوئی کہ اس نے دربان رکھا ہوا ہے اور بیش قیمت لباس پہنتا ہے۔ تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ شکایت صحیح ہے۔ آپ نے اسے بلا کر بالوں کا ایک موٹا سا کرتہ پہنوایا اور پھر بکریوں کا ریوڑ حوالے کر کے کہا کہ جاؤ انہیں جنگل میں جاکر چراؤ۔ تمہارا باپ بھی یہی کام کرتا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فاتحِ ایران کے متعلق شکایت ہوئی کہ انہوں نے کوفہ میں محل بنوایا ہے، جس کی ڈیوڑھی بھی ہے۔ آپ نے ڈیوڑھی کو آگ لگا دی تاکہ کسی حاجت مند کو سعد تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

بندوبست مالگذاری

چونکہ اسلام سے پہلے عرب میں کوئی منظم حکومت نہ تھی۔ اس لئے عرب مالی نظم و نسق سے بالکل ناآشنا تھے۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکومت کے مالی شعبے کا وسیع اور مکمل نظام قائم کیا۔ پہلے پہل فوجی افسروں اور بعض اکابر صحابہ کا اصرار تھا کہ مفتوحہ ممالک فوج میں بطور جاگیر تقسیم کئے جائیں۔ لیکن حضرتِ عمرؓ ان ممالک کی زمینوں کو حکومت کی ملکیت قرار دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ

www.pdfbooksfree.pk

جاگیر داری نظام کے بُرے نتائج سے واقف تھے۔ آخر بڑے بحث مباحثے کے بعد سب لوگوں نے حضرتِ عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ مفتوحہ ممالک کے مالگذاری کے بندوبست میں آپ نے یہ اصول سامنے رکھا کہ پرانے نظام کو کسی قدر اصلاح کے ساتھ قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہ بدلی۔ اس فیصلہ کے مطابق زمینیں ان کے اصل مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں۔ چونکہ عراق پر سب سے پہلے تسلط ہوا تھا اور وہاں عرب بکثرت آباد ہو گئے تھے۔ اس لئے بندوبست کی ابتدا عراق سے ہوئی۔ آپ کے حکم سے عراق کی پیمائش کرائی گئی۔ اور زمین کی نوعیت اور پیداوار کے مطابق مالگذاری کی شرح مقرر کی گئی۔ شاہی جاگیریں اور جنگلات وغیرہ حکومت کا خاصہ قرار دے کر رفاہِ عامہ کے کاموں کے لئے مخصوص کر دئے گئے۔ عراق کے علاوہ اور کسی ملک کی نئی پیمائش نہ ہوئی۔ بلکہ قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ کر کے پُرانا نظام ہی قائم رہنے دیا گیا۔ مثلاً مصر کی بہت سی زمین، شاہی خاندان۔ اراکین دربار اور افسرانِ فوج کی جاگیر میں تھی۔ آپ نے ان جاگیروں کو منسوخ کر کے زمین کا شتکاروں کے قبضہ میں رہنے دی۔ لگان کی شرح عموماً زمین کی پیداوار کا نصف تھی۔ مسلمانوں کو زمین خریدنے کی اجازت نہ تھی۔ حضرتِ عمرؓ یہ نہ چاہتے تھے کہ مسلمان جہاد کے فریضہ سے غافل ہو کر زراعت میں مشغول ہو جائیں۔ اس لئے آپ نے شام اور مصر میں آباد شدہ عربوں کو قانوناً زراعت سے روک دیا اور قانون بنا دیا کہ ان ممالک میں کوئی عرب زمین نہیں خرید سکتا۔ کہتے ہیں کہ یہ قانون خلفائے عباسیہ کے زمانے تک رہا۔

زراعت کی ترقی کے لئے آپ نے متعدد آبپاشی کی تجاویز کو عملی جامہ پہنایا۔ نہریں کھودیں، بند باندھے اور تالاب بنوائے۔ اس قسم کی آبپاشی

کے کاموں کے لئے آپ نے ایک الگ محکمہ قائم کیا۔ جس کے مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ زمین کی آباد کاری اور زراعت کی ترقی کے متعلق یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے وہ اس کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ اس سے بہت سی افتادہ زمینیں پھر آباد ہو گئیں۔

محکمۂ مالیات اور بیت المال

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بیت المال کا شعبہ حضرتِ ابوبکرؓ نے قائم کر دیا تھا، اور اس کے لئے ان کے زمانے میں ایک مختصر سی عمارت بھی تعمیر ہو گئی تھی۔ لیکن یہ حضرت عمرؓ ہی تھے، جنہوں نے بیت المال کو صحیح خطوط پر استوار کیا۔ آپ نے تمام صوبوں کے مرکزی مقامات پر بیت المال قائم کئے اور ان کے لئے وسیع عمارتیں بنوائیں اور ان پر نہایت دیانت دار منتظم مقرر کئے۔ صوبہ کی تمام آمدنی بیت المال میں جمع کی جاتی تھی اور صوبائی اخراجات کو وضع کر کے جو رقم بچتی تھی وہ مرکزی حکومت کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔

بیت المال کی حفاظت کا جو بندوبست آپ نے کیا اس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ آپ بیت المال کو صحیح معنوں میں قوم کی امانت سمجھتے تھے اور اس کا ایک پیسہ بھی بے محل صرف نہ ہونے دیتے تھے آپ کا معمول تھا کہ بیت المال کی ہر ایک چیز کے صحیح کوائف درج رجسٹر کرتے تھے اور ان میں سے اگر کوئی چیز گم ہو جاتی تھی تو جب تک اسے ڈھونڈ نہ لیتے، چین سے نہ بیٹھتے۔ بیت المال کی امانت ملاحظہ نگرانی کے متعلق آپ کے کئی قصے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے۔ حکیم نے شہد تجویز کیا جس کی مقدار بہت تھوڑی

www.pdfbooksfree.pk

سی تھی۔ شہد بیت المال میں موجود تھا۔ لیکن جب تک آپ نے جمیع مسلمانوں کی منظوری نہ لے لی اسے ہاتھ نہ لگایا۔ اسی طرح ایک دفعہ بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا۔ آپ اسے ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ چند شرفائے عرب ملنے کے لئے آگئے۔ ایک نے کہا کہ "یا امیرالمؤمنین! آپ خود کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ کسی غلام کو کہہ دیتے"۔ آپ نے فرمایا: "عمرؓ سے بڑھ کر اور کون غلام ہو سکتا ہے"۔ ایک دفعہ آپ کی بیوی امِ کلثوم نے قیصرِ روم کو عطر کی چند شیشیاں بطور تحفہ بھیجیں۔ قیصر نے اس کے جواب میں ایک قیمتی ہار بھیجا۔ آپ نے وہ ہار اپنی بیوی سے لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور کہا کہ "گو عطر تمہارا تھا لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا وہ حکومت کی طرف سے تھا اور یہ ہار تمہیں امیرالمؤمنین کی بیوی کی حیثیت سے دیا گیا ہے۔ عمرؓ کی بیوی سمجھ کر نہیں"۔

کسی ملک کے مالی نظام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :۔

۱۔ محاصل SOURCES OF REVENUE

۲۔ مصارف EXPENDITURE

عہدِ فاروقی میں محاصل کی بڑی بڑی مدات یہ تھیں :۔

زکوٰۃ۔ خراج۔ عشر۔ جزیہ، خمس اور عشور۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائیداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ اس کی شرح اڑھائی فی صدی سالانہ تھی۔ اسلامی شریعت کی رو سے زکوٰۃ کو انفرادی طور پر صرف نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے۔

خراج زمین کی پیداوار کے اس حصے کا نام ہے جو غیر مسلم کاشتکاروں سے لیا جاتا تھا۔ جو زمین مسلمانوں کے قبضے میں تھی، ان کی پیداوار پر ایک اور ٹیکس لیا جاتا تھا، جس کا نام عشر تھا۔ اس کی مقدار زمین کی پیداوار کا

دسواں حصہ تھی۔ جزیہ وہ ٹیکس تھا جو ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے لیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ تخصیص تھی کہ اس ٹیکس کو ادا کر کے وہ ہر قسم کی لازمی فوجی خدمت سے بری الذمہ سمجھے جاتے تھے اگر کسی غیر مسلم سے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو اس صورت میں اس سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ مثلاً حضرتِ عمرؓ نے بنی تغلب کے جو عیسائی تھے اور متعدد ایرانی مہمات میں مسلمانوں کے معاون رہ چکے تھے جزیہ کی بجائے زکوٰۃ لینا منظور کر لیا تھا۔ یا اگر اسلامی حکومت کسی وجہ سے ذمیوں کی حفاظت سے قاصر ہوتی تھی تو فراہم شدہ جزیہ واپس کیا جاتا تھا۔ (شبلی الفاروق دوم ۷۷۔) جنگِ یرموک کے سلسلہ میں اس واقعہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ (جزیہ کے لئے تفصیلی بحث آگے دیکھیئے)۔ خمس مالِ غنیمت کا وہ پانچواں حصہ تھا جو مرکزی حکومت کو بھیجا جاتا تھا۔ باقی چار حصے فاتح فوج میں تقسیم کر دئے جاتے تھے۔ عشور مالِ تجارت پر ایک قسم کا محصولِ چنگی تھا جسے سب سے پہلے حضرتِ عمرؓ نے جاری کیا اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ جو مسلمان غیر ممالک میں تجارتی مال لے کر جاتے تھے ان سے وہاں کی حکومتیں دس فی صدی ٹیکس لیتی تھیں۔ حضرتِ عمرؓ نے حکم دیا کہ بیرونی ممالک کے تاجروں سے بھی اسی قدر ٹیکس لیا جائے۔ پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمی اور مسلمان تاجروں سے بھی وصول کیا جانے لگا۔ البتہ حق دار میں فرق رہا۔ یعنی اہلِ حرب (وہ لوگ جن سے مسلمانوں کی جنگ ہو) سے دس فی صدی۔ ذمیوں سے پانچ فی صدی اور مسلمانوں سے اڑھائی فی صدی۔ یہ ٹیکس صرف مالِ تجارت پر لیا جاتا تھا۔ تاجر کے ذاتی مال و اسباب پر نہیں۔ اس کی میعاد ایک سال تک تھی۔ یعنی تاجر ایک سال کے اندر اندر مال جہاں چاہے لے جائے، اس سے دوبارہ ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

مصارف کی مدات میں زیادہ اہم یہ ہیں (ان کے لئے کسی تفصیل کی ضرورت نہیں):۔

۱۔ حکومت کے مختلف شعبوں کے اخراجات۔

۲۔ رفاہِ عامہ یعنی سڑکوں، پلوں وغیرہ کی تعمیر۔

۳۔ محتاجوں خاص طور پر یتامیٰ، فقرا، مساکین، مسافر اور محروم المعیشت افراد کی خبر گیری۔

۴۔ مختلف قسم کے وظائف جو عوام کو کسی خاص مقصد کے لئے دئے جائیں۔

فوج

حضرت عمرؓ سے پہلے فوج کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آپ نے ۱۵ھ میں فوج کے لئے ایک علیحدہ اور منظم محکمہ قائم کیا۔ یہ محکمہ سپاہیوں کی بھرتی، تنخواہ اور رسد وغیرہ کا انتظام کرتا تھا۔ آپ کے عہد میں اسلامی فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک وہ حصہ جو ہر وقت تیار اور جنگی خدمات کے لئے مستعد رہتا تھا۔ اسے ہم باقاعدہ فوج کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو بوقتِ ضرورت طلب کئے جاتے تھے۔ انہیں آج کل کی اصلاح میں ریزرو (RESERVE) کہتے ہیں۔ آپ کے حکم سے ایک رجسٹر تیار کیا گیا۔ جس میں فوجی خدمت کے قابل تمام اشخاص کے نام درج تھے اور ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ آپ نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ جن لوگوں کی اسلام کی توسیع و ترقی کے سلسلہ میں زیادہ خدمات تھیں، انہیں زیادہ تنخواہیں دی جائیں۔ مثلاً بدری صحابہ کی تنخواہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھی۔ شرکائے جنگِ اُحد کی چار ہزار درہم۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والوں کی تین ہزار درہم۔ ایک عام سپاہی کی دو سے تین سو درہم سالانہ۔ اس طرح درجہ بدرجہ سب کی تنخواہ مقرر کی گئی۔ ان لوگوں کے بیوی بچوں کے وظائف

بھی مقرر کئے گئے۔ جس دن بچہ پیدا ہوتا تھا، اسی دن سے اس کا وظیفہ شروع ہو جاتا تھا۔

عہدِ فاروقی میں خلافتِ اسلامیہ کے مختلف حصوں میں فوجی مرکز قائم کئے گئے۔ جنہیں جُند کہتے تھے۔ یہ غالباً رومی لفظ (LEGION) کا معرب ہے۔ چنانچہ مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط۔ دمشق۔ حمص وغیرہ بڑے بڑے فوجی مرکز تھے۔ ان کے علاوہ مختلف مقامات پر چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ جہاں بقدرِ ضرورت ہر وقت فوج کا ایک حصہ موجود رہتا تھا۔ ان مقامات پر آپ نے بڑے بڑے اصطبل بنوائے اور رسد کے ذخیرے قائم کئے۔ ان اصطبلوں میں ہر وقت چار چار ہزار گھوڑے ساز و سامان سے تیار رہتے تھے۔ ان گھوڑوں کے لئے علیحدہ سرکاری چراگاہیں تھیں۔ سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کا انتظام علیحدہ تھا۔ فوج کے لئے کسی خاص قوم یا ملک کی تخصیص نہ تھی۔ آپ کی فوج میں عرب، ایرانی، شامی اور یہودی سبھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ اسلامی فوج میں ہندوستان کا بھی ایک دستہ موجود تھا۔ سندھ کے جاٹ جنہیں عرب زط کہتے تھے، ایرانی فوج کا ایک حصہ تھے۔ ایران کی تسخیر کے بعد یہ لوگ اسلام لے آئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے۔ آپ کے عہد میں سپاہیوں کو زراعت، تجارت، وغیرہ کی ممانعت تھی۔ ہر فوجی دستہ کے ساتھ افسرِ خزانہ، محاسب، مترجم، قاضی، طبیب اور جراح منسلک ہوتے تھے۔ خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا بھی مکمل انتظام تھا۔ ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے جن کے ذریعہ سے حضرتِ عمرؓ کو فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع ملتی رہتی تھی۔ بعض اوقات (خصوصاً جنگِ قادسیہ کے موقع پر) حضرتِ عمرؓ فوج کو جنگی احکام خود دیتے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

صیغۂ عدالت

حضرت عمرؓ نے صیغۂ عدالت بھی پہلی بار عرب میں قائم کیا۔ آپ کے حکم کے ماتحت تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کی گئیں اور مقدمات کے فیصل کرنے کے لئے نہایت دیانت دار اور قابل قاضی مقرر کئے گئے۔ ان قاضیوں کے انتخاب میں آپ بڑی احتیاط برتتے تھے اور اس عہدے کے لئے صرف انہی لوگوں کو منتخب کرتے تھے جن کا علم تقویٰ، ذہانت اور قوت فیصلہ مسلّم ہوتی تھی۔ کبھی کبھی آپ کسی مقدمہ میں خود فریق مقدمہ بن کر ان لوگوں کی قابلیت اور دیانت کا امتحان لیتے تھے۔ قاضیوں کو ہدایت تھی کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کریں۔ ہاں اگر مقدمہ پر ان دونوں کا اطلاق نہ ہو تو پھر وہ اجماع (کثرتِ رائے) اور اجتہاد (اپنی عقل و دانش) سے کام لے سکتے تھے۔ آپ کے ایک خط سے جو آپ نے کوفہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا تھا، شعبۂ عدالت کے متعلق آپ کے نظریوں کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس خط میں آپ نے لکھا تھا کہ:-

۱۔ قاضی کو منصف کی حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور طاقت ور کو کسی رعایت کی اُمید نہ ہو۔

۲۔ دعویٰ کا ثبوت مدعی پر ہے۔

۳۔ مدعا علیہ کے پاس اگر ثبوت یا شہادت نہیں تو اس سے قسم لی جائے۔

۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلافِ شریعت ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔

۵۔ مقدمہ کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی اس پر نظرِ ثانی کی جا سکتی ہے۔

۶۔ مقدمہ کی پیشی کے لئے ایک تاریخ مقرر کی جائے۔ اگر اس کے اندر اندر کوئی فریق حاضر نہ ہو یا ثبوت نہ بہم پہنچا سکے تو فیصلہ اس کے خلاف دیا جائے۔

۷۔ ہر شخص کی شہادت قابلِ قبول ہے بشرطیکہ وہ سزا یافتہ نہ ہو یا اس نے جھوٹی گواہی نہ دی ہو۔

محکمۂ انصاف کو رشوت ستانی سے پاک رکھنے کے لئے آپ نے متعدد تدابیر اختیار کیں۔ آپ نے یہ قاعدہ بنایا کہ صرف صاحبِ حیثیت وذی مرتبہ لوگوں کو یہ منصب سونپا جائے۔ کیونکہ اگر قاضی صاحبِ حیثیت ہوگا تو رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور اگر ذی مرتبہ ہوگا تو کسی سے مرعوب نہ ہوگا۔ قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ تاکہ ان میں رشوت لینے کا میلان ہی پیدا نہ ہو۔ اسی طرح قاضیوں کو تجارت وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت تھی۔ آپ اس نظریہ پر سختی سے کاربند تھے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور کئی موقعوں پر آپ نے اس کا عملی ثبوت دیا۔ مصر کے گورنر عمرو ابن العاص کے لڑکے عبداللہ نے ایک شخص کو بلا وجہ پیٹا۔ جُرم ثابت ہونے پر آپ نے اُسی شخص کے ہاتھ سے عبداللہ کو کوڑے لگوائے اور حضرت عمرو بن العاص دم نہ مار سکے۔ تاریخ میں اس قسم کے اور کئی واقعات موجود ہیں۔ خود اپنے بیٹے کو سزا کے معاملہ میں نہ چھوڑا۔ کہتے ہیں کہ جب آپ کا ایک بیٹا شراب پینے کے جُرم میں ماخوذ ہوا تو آپ کے حکم سے اس کو اسّی کوڑے لگائے گئے۔ بعد میں وہ اسی صدمہ سے وفات پا گئے۔ (بعض مورخین کو اس واقعہ سے اختلاف ہے۔ دیکھئے فٹ نوٹ تاریخ اسلام معین الدین، دوم ۲۰۷) قاضیوں کو تاکید تھی کہ وہ مقدمات مسجد ہی میں سنیں۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ چونکہ مسجد کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہیں۔ اس

www.pdfbooksfree.pk

لئے کسی دادرسی کے لئے کسی قسم کا خوف یا جھجک نہ ہو۔ غیر مسلم اس بات کے لئے مجبور نہ تھے کہ وہ اپنے مقدمات جن کا فیصلہ انہوں نے اپنی شریعت کے مطابق کرنا ہو۔ مسلمان قاضیوں کے سامنے پیش کریں۔ ان کے لئے علیحدہ مذہبی عدالتیں قائم کی گئیں جن کے رکن اسی قوم کے مذہبی پیشوا ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسی رعایت ہے جو کہیں کسی اور فاتح قوم کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

اسلامی شریعت اور قانون کی تدوین میں بھی حضرتِ عمرؓ نے بہت کچھ کیا۔ بلکہ ایک لحاظ سے اسلامی فقہ آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں جس کسی کو کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تھا۔ وہ آنحضرتؐ سے خود دریافت کر لیتا تھا۔ حضرتِ ابوبکرؓ کے زمانے میں حدیث و فقہ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ کیونکہ ابھی اتنے نئے مسائل پیدا نہ ہوئے تھے۔ حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے نئے نئے مسائل پیدا کر دئے۔ اس لئے آپ کو حدیثوں کی تلاش، تدوین اور تحقیق کا کام بھی کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے صرف انہی احادیث کی طرف توجہ کی، جو عبادات، اخلاق اور معاملات سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہی احادیث کی مدد سے آپ نئے مسائل حل کرتے تھے۔ لیکن جن باتوں کے متعلق قرآن و احادیث خاموش تھے۔ ان کے بارے میں آپ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں کے مطابق فیصلے دئے اور یہی فیصلے اسلامی فقہ کی ابتدا اور اساس قرار پائے۔ ان کی مجموعی تعداد ایک ہزار سے اوپر بتلائی جاتی ہے۔

متفرق انتظامات اور اصلاحات

ان بڑے بڑے انتظامی شعبوں کے علاوہ (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) حضرتِ عمرؓ نے اور بھی کئی مفید اصلاحات نافذ کیں جن کا سرے سے عرب میں وجود نہ تھا۔ تاریخِ اسلام میں ان کو

اولیات کہتے ہیں۔ مورخین نے ایسی چالیس اولیات شمار کی ہیں (تاریخِ اسلام۔ معین الدین۔ دوم۔ ۲۴۳) ان میں رفاہِ عام کے کام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے زراعت کی ترقی کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں سب سے بڑی نہر، نہرِ امیر المومنین کے نام سے موسوم تھی۔ یہ نہر دریائے نیل کو بحیرۂ قلزم سے ملاتی تھی اور اس کی لمبائی ۹۹ میل تھی۔ اس نہر سے مصر کی تجارت کو بہت فروغ ہوا۔ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے تعمیر کروائے۔ مفتوحہ اقوام کے معاہدوں میں عموماً یہ شرط ہوتی تھی کہ وہ سڑکیں اور پل بنائیں گے۔ مکّہ اور مدینہ کے درمیان راستہ بہت خراب تھا۔ آپ نے ہر منزل پر چوکیاں، سرائے اور حوض تعمیر کرائے۔ آپ سے پہلے عرب میں کئی سن مروّج تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ کسی مشہور واقعہ سے سالوں کا حساب کر لیا کرتے تھے۔ مثلاً ابرہہ کا خانہ کعبہ پر حملہ ایک نئے سن کی ابتدا کا باعث ہوا۔ اس کو عام الفیل کہتے تھے۔ اس کے علاوہ پارسی، یونانی سن وغیرہ بھی رائج تھے۔ حضرتِ عمرؓ نے ان تمام سنین کو مٹا کر سنہ ہجری جاری کیا۔ اسی طرح مردم شماری کی بھی آپ نے ابتدا کی۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے پرانے رومی اور ایرانی سکوں میں بھی اصلاح کی اور ایک نیا درہم جاری کیا۔ لیکن خلیفہ عبدالمالک کے زمانے تک رومی اور ایرانی سکے ہی اسلامی خلافت میں رائج رہے۔ آپ نے غلامی کے رواج کو بھی مٹانے کی کوشش کی۔ آپ نے قانون بنایا کہ کوئی عربی النسل مرد یا عورت غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ نیز اگر لونڈی سے اولاد ہو جائے تو وہ لونڈی آزاد تصوّر کی جائے گی۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۴

حضرت عمرؓ کا نظامِ حکومت (۲)

غیر مسلم رعایا سے سلوک

آج کل قومیت کی بڑھتی ہوئی رَو کی وجہ سے اقلیتوں کا مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مہذب ملک کے دستورِ اساس میں اقلیتوں کے لئے آئینی تحفظات موجود ہوتے ہیں۔ لیکن ایک زمانہ جانتا ہے کہ یہ تحفظات محض کاغذی ہوتے ہیں، اور اقلیتوں کو کئی حیلوں بہانوں سے ان تحفظات سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی زبان، کلچر اور مذہب کو مٹانے کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں۔ کسی حکومت کے عدل و مساوات اور جمہوریت نوازی کے دعوؤں کو جانچنے کا صرف ایک معیار ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے۔ جب ہم اس پیمانے سے حضرت عمرؓ کی حکومت کو ناپتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ حضرت عمرؓ نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اپنی غیر مسلم رعایا کو وہ حقوق عطا کیے جن پر آج ایک مہذب سے مہذب حکومت بھی فخر کر سکتی ہے۔ اگر آج کل اس روشنی اور مذہبی رواداری کے زمانے میں کوئی حکومت اس پر فخر کرے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ لیکن یہ اس زمانے کی بات ہے جب بقول ہمارے مدعیانِ تہذیب کے عرب ابھی وحشت اور بربریت

کے دور میں تھا۔ اُس کی ہمسایہ روم اور ایران جیسی عظیم الشان سلطنتیں تھیں جو بجا طور پر "تہذیب کی ماں" ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہیں لیکن ان کا اپنا سلوک اپنی اقلیتوں بلکہ اپنی ہم مذہب رعایا سے کیا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ شام کے عیسائی باوجود رومیوں کے ہم مذہب ہوتے کے رومیوں سے برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ غلاموں سے بدتر تھے اور زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی نئے مالک کی طرف منتقل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ وہ رعایا کہلانے کے بھی مستحق نہ تھے۔ کیونکہ حکومت جب چاہتی تھی ان کا مال و دولت چھین لیتی تھی۔ ان کے مکانات مسمار کر دیتی تھی اور ان کو ملک بدر کر دیتی تھی۔ مصر میں قبطیوں کا بھی یہی حال تھا۔ چونکہ وہ یونانی کلیسا سے منسلک نہیں تھے، اور اپنا علیحدہ کلیسا رکھتے تھے۔ اس لئے آئے دن ان پر مذہب کے نام پر ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا بطریقِ اعظم مسلمانوں کے آنے سے پہلے تیرہ برس تک روپوش رہا تاآنکہ مسلمانوں نے اسے امان دی اور وہ اپنے وطن واپس آیا۔

حضرت عمرؓ کے ماتحت ذمیوں کے حقوق واضح کرنے کے لئے سب سے روشن مثال وہ امان نامہ ہے جو حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کو دیا تھا۔ اس کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فاتح اپنے مفتوحین کو حقوق نہیں عطا کر رہا۔ بلکہ دو برابر کے فریقوں میں معاہدہ کیا جا رہا ہے۔ صرف حقوق (جو فاتح یا ہیئت حاکمہ کے رحم و کرم پر ہوں) عطا کر دینا اور بات ہے اور ان پر معاہدہ کی سی سختی سے کاربند رہنا اور بات ہے۔ یہ فراخ دلی صرف مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے اور کوئی قوم اس کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

www.pdfbooksfree.pk

بیت المقدس کے معاہدے کا ذکر اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔ لیکن ذمیوں کے حقوق متعین کرنے میں وہ اس قدر اہم ہے کہ یہاں اس کا دوبارہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس معاہدے کا خلاصہ یہ ہے:-

"یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمرؓ امیر المومنین نے ایلیا (بیت المقدس کا پرانا نام) کے لوگوں کو دی (اس معاہدہ کی رو سے قرار پایا کہ) ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کی جائے گی۔ نہ ان کی کسی عبادت گاہ میں سکونت کی جائے گی نہ کوئی عبادت گاہ گرائی جائے گی نہ ان کی حدود میں کمی کی جائے گی۔ یہودیوں کو ایلیا میں رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ایلیا والوں پر (ان شرائط کے بدلے) فرض ہوگا کہ وہ دوسرے شہروں کی طرح جزیہ ادا کریں۔ جو رومی یہاں سے جانا چاہے اُس کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی حتیٰ کہ وہ امن کی جگہ پہنچ جائے، اہل ایلیا میں سے بھی اگر کوئی رومیوں کے پاس جانا چاہے تو اس کو بھی امن و امان سے جانے کی اجازت ہوگی۔ اگر کوئی رومی ایلیا میں رہنا چاہے تو اس کو اہلِ ایلیا کی طرح امن دیا جاتا ہے۔"

اس معاہدہ سے صاف واضح ہے کہ بیت المقدس کے عیسائیوں کو جان و مال اور مذہب کی حفاظت کا پورا یقین دلایا گیا اور ان کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ ان کے گرجاؤں اور معابد کے احترام کا عہد کیا گیا اور اس میں کسی قسم کی دخل اندازی اور تصرف کو ناجائز ٹھہرایا گیا۔ (اگر بعد کے مسلمان سلاطین نے کہیں ایسا کیا تو

یہ ان کا انفرادی فعل تھا۔ اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں۔ ہادیٔ اسلام اور خلفائے راشدین کا اپنی غیر مسلم رعایا کے متعلق یہی مسلک تھا) اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان رومیوں کو بھی جو مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے اور جن سے ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی امان دی گئی اور نہ صرف امان دی گئی بلکہ ان کو اجازت دی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو یہاں رہیں اور اگر چاہیں تو اپنے ملک میں امن امان کے ساتھ جا سکتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر بیت المقدس کے عیسائی اپنا وطن چھوڑ کر دشمنوں سے جا ملیں تو ان کو بھی اختیار ہوگا، بلکہ یہ عہد کیا گیا کہ ان کے جانے کے بعد ان کے گرجاؤں کی بھی پوری حفاظت کی جائے گی۔ کیا دنیا کی تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ کبھی فاتح قوم نے کسی مفتوح قوم کو اس قسم کی کوئی ایک رعایت بھی دی ہو۔ یہودیوں پر بیت المقدس میں نہ آنے کی قید اس لئے لگائی گئی تھی کہ یہودی نہ صرف حضرت عیسےٰ کے قتل کے ذمہ دار تھے، بلکہ انہوں نے حضرتِ عیسےٰ کی قتل گاہ اور دوسری مقدس جگہوں کو ناپاک کر دیا تھا اور عیسائیوں کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ قوم پھر بیت المقدس میں آ کر آباد ہو گئی تو یہی حرکت کرے گی۔

یہ حقوق صرف بیت المقدس کے باشندوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ یہی حقوق تمام مفتوحہ اقوام کو دے گئے۔ جرجان (ایران کا ایک صوبہ) کی فتح کے وقت جو معاہدہ لکھا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"ان کی جان و مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔ ان میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔"

اس قسم کے اور بہت سے معاہدے ہیں جن کے الفاظ تقریباً تقریباً یہی ہیں۔ حضرتِ عمرؓ وقتاً فوقتاً اپنے عمال کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ ان معاہدوں پر پوری پابندی سے عمل کیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہ کو

www.pdfbooksfree.pk

شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ تاکید موجود تھی :۔

"مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے، اور بے وجہ ان کا مال چھیننے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں، ان کو پورا کرو۔"

قانون کے سامنے ذمی اور مسلمان برابر تھے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل سے قصاص لیا جاتا تھا۔ اور اگر حکومت یا کسی مسلمان کی طرف سے کسی ذمی کی املاک کو نقصان پہنچتا تھا تو اس کو معاوضہ دیا جاتا تھا۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ حضرتِ عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی، اور انہوں نے اسے قتل کر دیا (الفاروق دوم۔ ۶۹) اسی طرح فتح شام کے دوران میں ایک ذمی کا کھیت اسلامی فوج کے ہاتھوں پامال ہو گیا۔ آپ نے بیت المال سے اسے اُس کے نقصان کا معاوضہ دیا (تاریخ اسلام، معین الدین دوم ۲۲۵) مفتوحہ علاقوں میں نہ صرف غیر مسلم رعایا کی زمینیں بحال رکھی گئیں، بلکہ مسلمانوں کو ان کی زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ ذمیوں سے جو خراج وصول کیا جاتا تھا وہ نہایت نرم اور ہلکا تھا۔ اور ان کے تعین میں خود انہی سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ اس پر بھی آپ کو اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں یہ سختی سے وصول نہ کیا گیا ہو۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہاں کے دس دس معتبر ذمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ اس کی وصولی میں کوئی سختی تو نہیں کی گئی۔ جان و مال کی حفاظت کے علاوہ غیر مسلم رعایا کو اپنے مذہبی امور میں بھی پوری آزادی حاصل تھی، بلکہ ان کو یہ اختیار بھی دیا گیا تھا کہ وہ اپنے تمام تنازعات جن کا فیصلہ ان کی شریعت کے مطابق ہونا ضروری تھا۔ اپنی ہی مذہبی عدالتوں

میں خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ان کے مذہبی رہنماؤں کو جو اختیارات اسلام کی فتح سے پہلے حاصل تھے، وہ برقرار رکھے گئے۔ مصر میں سکندریہ کا بطریقِ اعظم بنیامین (BENYAMIN) رومیوں کے ڈر سے بھاگ کر مصر کے صحرا میں گوشہ نشین ہو گیا تھا اور تیرہ برس تک روپوش رہا۔ حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر کو فتح کیا تو اس کو تحریری امان نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ وہ نہایت ممنون ہو کر واپس آیا اور بطریق اعظم کی کرسی پر متمکن ہو گیا۔

ذمی صرف یہی نہیں کہ ٹیکس گزار تھے۔ بلکہ دوسرے نادار مسلمانوں کی طرح بیت المال سے ان کی کفالت کا بھی انتظام تھا۔ حضرتِ خالدؓ بن ولید نے حیرہ کی فتح کے وقت جو معاہدہ لکھ کر دیا، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آ جائے یا پہلے دولت مند تھا، پھر غریب ہو گیا۔ اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اُس کو خیرات دینے لگے تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا۔ جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے۔ لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا"۔

گو یہ معاہدہ حضرتِ ابوبکرؓ کے زمانے میں ہوا تھا لیکن حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا بلکہ حضرتِ عمرؓ نے قرآنِ پاک سے اس کی سند نکالی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ قرآنِ پاک کی اس آیت میں "انما الصدقات للفقراء والمساکین" فقرا سے مراد نادار مسلمان اور مساکین سے مراد نادار یہودی اور عیسائی ہیں۔ واللہ یہ ہرگز انصاف نہیں کہ ان کی جوانی سے ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال

www.pdfbooksfree.pk

دیں"۔ یہ اسی رحمدلانہ پالیسی کا نتیجہ تھا کہ مصر اور شام، عراق اور ایران کی رعایا نے اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہرگز مسلمانوں کی حکومت کو قبول نہ کرتے۔ صرف یہ کہہ کر حقیقت کو نہیں چھپایا جا سکتا کہ مسلمانوں کا برتاؤ تمام فرقوں سے غیر جانب دارانہ تھا۔ اس لئے مصر اور شام کے لوگ ان کے ساتھ ہوگئے۔ ایسی منفی پالیسی سے مفتوح قوموں کا دل مٹھی میں نہیں لیا جا سکتا۔ اس کے لئے کسی ٹھوس مثبت پالیسی کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ کو ذمیوں کا یہاں تک خیال تھا کہ مرتے وقت آپ نے اپنے جانشین کے لئے جو وصیت لکھوائی، اس میں یہ ہدایت موجود تھی:۔

"میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمیوں یا غیر مسلم رعایا) وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد ہو پورا کیا جائے، اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

حیرت ہے کہ ان شواہد کے ہوتے ہوئے بھی بعض اوقات حضرت عمرؓ اور مسلمانوں پر بھی یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ذمیوں کے ساتھ ان کا سلوک غیر مساویانہ بلکہ نامنصفانہ تھا۔ اس ضمن میں تین چیزوں کا سہارا لیا جاتا ہے:۔

اوّل یہ کہ ذمیوں سے جزیہ لیا جاتا تھا جو مسلمانوں سے نہیں لیا جاتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذمیوں کی حیثیت بطور شہری کے کمتر درجہ کی تھی۔

دوم یہ کہ لباس وغیرہ کے سلسلہ میں ذمیوں پر بعض ایسی پابندیاں عائد کی گئیں جن سے ان کی تحقیر مقصود تھی۔

سوم یہ کہ خیبر کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے جہاں وہ سینکڑوں صدیوں سے آباد تھے نکال دیا گیا۔

سب سے پہلے ہم جزیہ کو لیتے ہیں۔ اگر محض کسی ٹیکس کا ذمیوں سے لینا اور مسلمانوں سے نہ لینا ہی وجہ اعتراض ہو سکتا ہے تو معترضین اس بات کا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ زکواۃ مسلمانوں سے لی جاتی تھی، لیکن غیر مسلم اس سے مستثنیٰ تھے۔ اگر غیر مسلم کاشتکاروں سے خراج وصول کیا جاتا تھا تو مسلمان عشر دیتے تھے۔ عشور (محصول چنگی) اور دوسرے ٹیکسوں کے معاملہ میں ذمی اور مسلمان برابر تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جزیہ دینے یا نہ دینے سے کسی قسم کا امتیاز پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ جہاں تک ٹیکسوں کی ادائیگی کا تعلق ہے۔ مسلم اور غیر مسلم رعایا سے یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا۔ ہاں جس طرح آج کل مسلمان زکواۃ دیتے ہیں، اس سے یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ زکواۃ ٹیکس نہیں بلکہ ایک قسم کی خیرات ہے جو رضاکارانہ طور پر مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کی جاتی ہے۔ اور اس میں ٹیکس کی ادائیگی کی سی مجبوری نہیں۔ لیکن ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اسلامی حکومت میں زکواۃ کی حیثیت ایک ٹیکس کی سی ہے۔ اس کا اکٹھا کرنا حکومت کا فرض ہے اور یہ انفرادی طور پر نادار مسلمانوں میں نہیں بانٹی جا سکتی۔ اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے زکواۃ کی ادائیگی سے انکار کو ایک باغیانہ فعل قرار دیا اور منکرین زکواۃ سے جنگ کی۔

اس سے آگے بڑھ کر جب ہم جزیہ کی ماہیت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے کہ اس کے عائد کرنے سے غیر مسلم رعایا کی تحقیر مقصود نہ تھی اور نہ اس کی وجہ سے ان کو کمتر درجہ کے شہری سمجھا جا سکتا ہے، بلکہ ایک بہت بڑی رعایت تھی جو اس زمانے میں

www.pdfbooksfree.pk

بلکہ ایک لحاظ سے جزیہ (CONTIGENT) کے مصرف سے بہتر تھا۔ کیونکہ اوّل الذکر کی ایک حد مقرر تھی۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی (CONTIGENT) کے بہانے سے اپنی تمام فوج کے دوگنے تگنے مصارف دیسی ریاستوں سے وصول کر لیتی تھی۔ اس کے علاوہ جزیہ میں ایک خاص بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ دُنیا کے کسی نظامِ حکومت میں آپ نے یہ نہ دیکھا ہوگا کہ اگر کسی خاص مقصد کے لئے کوئی ٹیکس لگایا جائے اور حکومت اس مقصد کو پُورا کرنے سے قاصر رہی ہو تو وہ ٹیکس واپس کر دیا جائے۔ یہ بات آپ کو صرف اسلامی نظامِ حکومت میں نظر آئے گی۔ جزیہ کا مقصد ابتدائے اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ یہ ٹیکس ایک خاص مقصد کے لئے ہے۔ لیکن اس وقت اس کی مشروط نوعیت واضح نہ ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ یہ ٹیکس ذمیوں کی حفاظت کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر اسلامی حکومت اس سے قاصر ہو تو اُسے یہ ٹیکس لینے کا حق نہیں۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جنگِ یرموک کے موقع پر جب مسلمانوں کو حمص اور بعض دوسرے شہر خالی کرنے پڑے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب وہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی گئی۔

اس سے بھی واضح تر یہ بات ہے کہ جزیہ دوسرے ٹیکسوں کی طرح نہیں تھا۔ بلکہ ایک خاص قسم کا فوجی ٹیکس تھا۔ جن لوگوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی یا وہ از خود اسلامی حکومت کو کسی قسم کی فوجی امداد دیتے تھے، اُن سے یہ ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ ذمیوں میں سے جن سواروں سے فوجی امداد لینے کی ضرورت ہو، ان سے مدد لو، اور

کسی محکوم قوم کو دی جا سکتی تھی۔ آج کل جن ممالک میں جبری فوجی خدمت (CONSCRIPTION) کا قانون نافذ ہے وہاں اگر حکومت کی طرف سے شہریوں کے کسی طبقہ کو یہ رعایت دی جائے کہ وہ حکومت کو تھوڑا سا معاوضہ دے کر فوجی زندگی کے مصائب اور خطرات سے بچ سکتے ہیں تو یہ حکومت کا بہت بڑا احسان سمجھا جائے گا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ انگلستان اور امریکہ وغیرہ میں جہاں جبری فوجی خدمت کے قانون پر عمل درآمد ہوتا ہے، لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے جبری فوجی خدمت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی حکومت نے اپنی غیر مسلم رعایا کو از خود یہ رعایت دی ہوئی تھی۔ ورنہ وہ اگر چاہتی تو ان سے جزیہ بھی لے سکتی تھی اور جبری فوجی خدمت بھی۔ جیسا کہ اس زمانے میں فاتح قوموں کا محکوم اقوام کے متعلق وطیرہ تھا۔

اس ضمن میں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں پر جبری فوجی خدمت لازمی تھی اور ساتھ ہی وہ زکوٰۃ بھی دیتے تھے۔ اس کے برعکس غیر مسلم زکوٰۃ کے مقابلہ میں جزیہ دیتے ہیں۔ لیکن جبری فوجی خدمت سے بالکل آزاد تھے۔ اب سے شہریوں کے کون سے طبقے پر سختی نظر آتی ہے، مسلمانوں پر یا ذمیوں پر؟

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جزیہ ایک خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور وہ بھی مشروط حفاظتی ٹیکس۔ جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے دیسی ریاستوں کی دفاعی ضروریات کے لئے کمپنی کی فوج کا ایک حصہ (موسوم بہ CONTIGENT) مخصوص کر رکھا تھا، اور اس کے مصارف دیسی ریاستوں کو برداشت کرنے پڑتے تھے بعینہٖ اسلامی حکومت ذمیوں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے ان سے جزیہ لیتی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

ان کا جزیہ معاف کر دو۔ اسی طرح اہلِ جرجان کے معاہدہ میں لکھا گیا کہ:۔

"ہمارے ذمہ اس شرط پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو ہر سال بقدرِ استطاعت جزیہ ادا کرنا ہوگا، اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس امداد کے بدلے تمہارا جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔"

اسی طرح آذربائیجان کے معاہدے میں یہ الفاظ موجود تھے کہ:۔

"جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام کریں گے۔ اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔"

مزید برآں جزیہ کی مقدار بڑی ہلکی تھی۔ یہ ہر کس و ناکس سے وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ ذمیوں کے بہت سے طبقے خاص طور پر کم عمر لڑکے، بوڑھے، عورتیں اور بچے، نادار اور اپاہج لوگ اور مذہبی پیشوا وغیرہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کا بار بہت کم غیر مسلموں پر پڑتا تھا۔ نیز اس کی وصولی میں ہر قسم کے جبر کی ممانعت تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق کثرت سے تاکیدی احکام موجود ہیں۔ شام کے سفر میں ایک جگہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ چند ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے۔ آپ نے سبب پوچھا تو بتایا گیا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا۔ آپ نے پوچھا کہ "ان کا کیا عذر ہے؟ بتایا گیا کہ "یہ نادار ہیں"۔ آپ نے فرمایا کہ "ان کو چھوڑ دو۔ میں نے آں حضرت سے سُنا ہے کہ جو لوگ دُنیا میں لوگوں کو تکلیف دیں گے، انہیں اللہ قیامت کے دن تکلیف دے گا۔" (الفاروق دوم ۷۰)۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو عامل مقرر کرتے وقت یہ ہدایت فرمائی کہ خراج وغیرہ کی وصولی میں ذمیوں پر ایسی سختی نہ کرنا

کہ وہ اپنے اثاث البیت تک بیچنے پر مجبور ہو جائیں۔ (مودودی، الجہاد فی الاسلام۔ ۹۲)

مخالفین کا یہ اعتراض بھی درست نہیں کہ جزیہ غیر مسلموں پر ایک قسم کا دباؤ تھا۔ تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اس کی مقدار بہت ہلکی تھی اور غیر مسلموں میں سے بڑی ہی تھوڑی تعداد پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ اور خصوصاً نادار لوگ تو، جن پر دباؤ کچھ معنی رکھتا ہے اس سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ کوئی ہوش مند حکومت چند درہم سالانہ کے لالچ میں اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر لے لے کہ ذمیوں کی حفاظت کے لئے ہر دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو جائے۔ درآں حالیکہ اسے یہ قدرت حاصل ہو کہ ذمیوں سے جزیہ بھی وصول کر لے اور پھر ان سے جنگی خدمت بھی لے۔ مسلمانوں سے پہلے تمام حکومتیں مفتوحہ اقوام سے جبری فوجی خدمت لیا کرتی تھیں۔ اسلام نے ان کے بیچ بین ایک اور سہل سا طریقہ بتلایا کہ اگر حفاظت کا معاوضہ لیا جائے تو فوجی خدمت نہ لی جائے اور جہاں فوجی خدمت لی جائے۔ وہاں حفاظت کا معاوضہ نہ لیا جائے۔

حضرت عمرؓ کی غیر مسلموں کے متعلق پالیسی پر معترضین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آپ نے غیر مسلموں پر بعض ایسی پابندیاں عائد کیں جن سے ان کی تحقیر مقصود تھی۔ سر ولیم میور نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "عروج و زوالِ خلافتِ اسلامیہ" میں ان پابندیوں کا بڑی شد و مد سے تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے ان پابندیوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ ان کی سیرت سے بعید ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ پابندیاں کچھ اس قسم کی تھیں کہ غیر مسلم ایک خاص قسم کا لباس پہنیں جس کا زنار ایک حصہ ہو۔ ناقوس نہ بجائیں، اونچی آواز

www.pdfbooksfree.pk

سے اپنی مقدس کتابیں نہ پڑھیں۔ کھلے بندوں شراب نہ پئیں۔ صلیب وغیرہ نہ نکالیں بچوں کو عالم طفولیت میں بپتسمہ نہ دیں۔ وغیرہ وغیرہ (میور۔ ۱۳۱) اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان پابندیوں کے ساتھ بعض شرطیں تھیں جن کا عموماً ذکر نہیں کیا جاتا اور اسی وجہ سے حضرتِ عمرؓ کے متعلق یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ آپ کا غیر مسلموں سے سلوک ناروا تھا۔ اسلامی تاریخ کی قدیم ترین کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لباس کی پابندی ذمیوں پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر تھی۔ اس سے حضرتِ عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان لباس میں ایرانیوں اور رومیوں کی تقلید نہ کریں۔ تاکہ ان کی قومی خصوصیات فنا نہ ہونے پائیں تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب آپ شام کے دورے پر تشریف لے گئے تو جو مسلمان افسر اُن کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے وہ رومیوں کا سا ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس پر آپ سخت برہم ہوئے اور ان کو کہا کہ تم اتنی جلدی اسلامی روایات بھول گئے۔ وہ مسلمانوں کو غیر اسلامی عادات و اطوار سے اس لئے روکتے تھے تاکہ ان کا بھی روم وایران کا سا حشر نہ ہو۔ ناقوس وغیرہ نہ بجانے اور صلیب لے کر نہ نکلنے کے ساتھ یہ شرط عائد تھی کہ نماز کے وقت ناقوس نہ بجایا جائے اور مسلمانوں کے مجمع میں صلیب کے جلوس نہ نکالے جائیں اور شراب برسرِ عام نہ پی جائے۔ ان شرائط کے ساتھ یہ کوئی نامناسب پابندیاں نہیں۔ بلکہ انگریزی حکومت بھی اپنے دور میں یہ پابندیاں عائد کرتی رہی ہے تاکہ رعایا کے کسی طبقے کے احساسات کو ٹھیس نہ لگے۔ بدقسمتی سے جہاں مسلمان اور غیر مسلم مؤرخین نے ان پابندیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے وہاں ان پابندیوں کے ساتھ جو شرائط منسلک تھیں، ان کو نظر انداز کر دیا ہے جس سے معترضین کو حضرتِ عمرؓ پر الزام تراشی کا موقعہ مل گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی پابندی سیاسی حالات

کے اقتضا سے نامناسب نہیں۔ ہاں عیسائیوں کو اپنے بچوں کو بپتسمہ دینے سے روکنا بظاہر مذہب میں دخل اندازی نظر آتا ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ جو عیسائی مسلمان ہو جائے، اور وہ نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے اس کے بچوں کا کیا مذہب ہو حضرتِ عمرؓ صرف یہ چاہتے تھے کہ ایسے بچوں کو بلوغت سے پہلے بپتسمہ نہ دیا جائے۔ عیسائیوں کے ساتھ معاہدوں میں یہ شرط صاف مذکور تھی کہ جن بچوں کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کو عیسائی نہ بنایا جائے۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ہر عیسائی پر یہ پابندی عائد تھی۔

اب تیسرا اعتراض یہودیوں اور عیسائیوں کے جزیرۃ العرب سے اخراج کے متعلق رہ جاتا ہے۔ یہودیوں کے متعلق اتنی بات تو واضح ہے کہ وہ ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ رہتے تھے اور خیبر کی فتح کے بعد بھی وہ اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئے بلکہ ان کی سرکشی یہاں تک ترقی کر گئی کہ انہوں نے آپ کے بیٹے عبداللہ کو کوٹھے پر سے گرا دیا جس سے وہ سخت زخمی ہو گئے۔ حضرتِ عمرؓ نے ایک مجمع عام میں خیبر کے یہودیوں کی شرارتیں بیان کیں جس کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کو خیبر سے نکال دیا جائے۔ اس فیصلہ کے مطابق یہودیوں کو خیبر سے نکال کر شام میں آباد کیا گیا۔ لیکن ان کی علانیہ شرارتوں کے باوجود ان سے رعایت کی گئی کہ انہیں ان کی زمینوں کا پورا پورا معاوضہ دیا گیا۔ نجران کے عیسائی اس بنا پر خارج کئے گئے کہ انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب ایران اور روم کے ساتھ جنگ بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی اور سیاسی لحاظ سے یہ بہت خطرناک تھا۔ کہ ایسے باغی گروہ کو خلافتِ اسلامیہ

www.pdfbooksfree.pk

کے قلب میں رہنا دیا جائے۔ ان حالات سے مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے نجران کے عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال کر عراق اور شام میں آباد کر دیا۔ لیکن ان کے ساتھ یہودِ خیبر سے بھی زیادہ فیاضانہ سلوک کیا گیا۔ یہودِ خیبر کو تو صرف ان کی زمینوں کی قیمت ادا کی گئی تھی، نجران کے عیسائیوں کو عرب کی بنجر زمینوں کے بدلے عراق اور شام کی زرخیز زمینیں عطا کی گئیں۔ نیز حکام کو تاکید کی گئی کہ یہ لوگ جس جگہ آباد ہوں وہاں ان کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا جائے۔

حضرتِ عثمانؓ کا دورِ خلافت

۲۳ھ تا ۳۵ھ

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۵

حضرتِ عثمانؓ کا انتخاب اور فتوحات

حضرتِ عثمانؓ کا انتخاب

حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انتخاب میں (بجز سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ کے) کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ کیونکہ ان دونوں کی شخصیت اتنی بلند و بالا تھی کہ ان کے سوا امت کی نظریں کیسی اور طرف اٹھ ہی نہیں سکتی تھیں۔ لیکن حضرتِ عمرؓ کے بعد کوئی فردِ واحد ایسا نہ تھا جس کو بہمہ وجوہ دوسروں پر فوقیت حاصل ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت سے پہلے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کر دیا تھا اور آپ کی نظر میں کئی اشخاص بھی تھے۔ لیکن آپ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا اظہار آپ نے کئی موقعوں پر کیا تھا (الفاروق اول -۱۰۲) آپ فرمایا کرتے تھے کہ :-

"اگر میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کر دوں تو اس میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ حضرتِ ابوبکرؓ نے ایسا ہی کیا اور اگر نہ کروں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا"۔

مرتے وقت جب لوگوں نے بہت زور دیا تو آپ فرمانے لگے :-

"کاش! ابو عبیدہ یا ابو حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو نامزد کرتا۔"

www.pdfbooksfree.pk

جب لوگوں کا اصرار بہت بڑھا تو آپ نے حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ علیؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، طلحہؓ۔ زبیرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ (چھ ارکان) کی ایک انتخابی مجلس نامزد کی اور کہا کہ ان چھ اشخاص کو اختیار ہے کہ اپنی جماعت میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔ پھر آپ نے ایک مقتدر صحابی مقداد بن اسود کو بلایا اور کہا کہ میرے مرنے کے بعد ان اشخاص کو ایک مکان میں جمع کرنا اور ان سے کہنا کہ تین دن کے اندر اندر اپنی جماعت میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کرلیں۔ اگر متفقہ فیصلہ نہ ہو تو جس طرف کثرتِ رائے ہو وہی امیر ہوگا۔ اگر دونوں رائیں برابر ہوں تو عبداللہ بن عمرؓ کو حَکَم (یعنی ثالث) بنانا وہ جس کے حق میں فیصلہ دیں وہی امیر ہوگا۔ لیکن خود اس کو خلیفہ بننے کا حق نہ ہوگا۔ اگر عبداللہ بن عمرؓ بطورِ حَکَم قابلِ قبول نہ ہوں تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے ہو وہی فریق خلیفہ سمجھا جائے۔ جو شخص اس جماعت کے فیصلہ سے اختلاف کرے اور امّت میں نزاع پیدا کرنے کی کوشش کرے اس کو قتل کر دینا۔

حضرتِ عمرؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد آپ کی وصیّت کے مطابق اس انتخابی مجلس کو ایک مکان میں جمع کیا گیا۔ حضرتِ طلحہؓ چونکہ اس وقت مدینہ سے باہر تھے اس لئے وہ اس مجلس میں شریک نہ ہو سکے۔ ویسے بھی حضرتِ عمرؓ نے وصیّت کی تھی کہ اگر ان میں سے کوئی شخص غیر حاضر ہو اور تین دن کے اندر اندر آ جائے تو شریکِ مشورہ کرلیا جائے ورنہ خیر۔ جمع ہونے کے بعد کچھ دیر آپس میں گفتگو ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص خلافت سے دست بردار ہو جائے اسے یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ اس جماعت میں جس کو افضل سمجھے اسے خلیفہ نامزد کر دے۔

سب سے پہلے میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور اپنا حقِ انتخاب ان کے حوالے کر دیا۔ لیکن حضرتِ علیؓ خاموش رہے۔ جب حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم وعدہ کرو کہ قرابت کی بنا پر کسی کی پاسداری نہ کرو گے اور امّت کی بہتری کا خیال رکھو گے تو میں بھی اپنا حقِ انتخاب تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ حضرتِ عبدالرحمان نے یہ وعدہ کیا اور اس طرح اتفاق رائے سے خلیفہ کے انتخاب کا فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا گیا۔

حضرتِ عمرؓ نے کہا تھا کہ انتخاب میں تین دن سے زیادہ نہ لگیں۔ اس لئے حضرتِ عبدالرحمان نے فوراً مشورہ شروع کر دیا۔ پہلے آپ نے انتخابی مجلس کے اراکین سے مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ اب صرف دو نام یعنی حضرتِ عثمانؓ اور حضرتِ علیؓ باقی رہ گئے تھے۔ اتفاق سے یہ حج کا زمانہ تھا اور مختلف صوبوں سے اکابر صحابہ، حکام اور سردارانِ لشکر مدینہ آئے ہوئے تھے۔ حضرتِ عبدالرحمان ہر ایک کے پاس جاتے اور اس کی رائے معلوم کرتے۔ آخر وہ صبح آ گئی۔ جب آپ نے اپنے فیصلے کا اعلان کرنا تھا۔ مسجدِ نبوی مسلمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور مختلف اضلاع اور صوبوں سے آئے ہوئے لوگ بے تاب تھے کہ مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے معلوم ہو جائے کہ نیا خلیفہ کون ہے؟۔ سب سے پہلے حضرتِ عبدالرحمان نے دیر تک دعا مانگی۔ پھر اس کے بعد آپ نے حضرتِ علیؓ کو بلایا اور کہا عہد کرو کہ تم کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ اور حضرتِ ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقہ پہ عمل کرو گے۔ حضرتِ علیؓ نے جواب دیا کہ میں اپنے علم اور طاقت کے مطابق ایسا ہی کروں گا۔ اس کے بعد حضرتِ عبدالرحمان نے یہی سوال حضرتِ عثمانؓ سے پوچھا اور انہوں نے بھی عہد کیا۔ اس پہ حضرتِ عبدالرحمان نے یا تو حضرتِ علیؓ کے جواب کو مشروط سمجھتے ہوئے یا کثرتِ رائے کو عثمانؓ کے

www.pdfbooksfree.pk

حق میں دیکھتے ہوئے حضرتِ عثمانؓ کے حق میں انتخاب کا اعلان کر دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس پر سب لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے روایت ہے کہ پہلے حضرتِ علیؓ مسجد سے نکل آئے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد گئے اور آپ نے بھی بیعت کر لی۔ حضرتِ طلحہؓ بیعت کے بعد مدینہ پہنچے اور اُنھوں نے بھی حضرتِ عثمانؓ کے انتخاب کو منظور کر لیا۔

حالات قبل از خلافت

حضرتِ عثمانؓ بن عفان بنی اُمیہ میں سے تھے۔ یاد رہے کہ یہ وہ قبیلہ تھا جو بنی ہاشم کا حریف خیال کیا جاتا تھا اور آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد سیاسی اقتدار اسی خاندان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اس خاندان کے بعض افراد خصوصاً ابوسفیان (امیر معاویہ کا باپ) اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے۔ حضرتِ عثمان کا نسب پانچویں پشت پر آنحضرتؐ سے جا ملتا ہے۔ حضرتِ ابوبکرؓ کی طرح آپ بھی تاجر تھے اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ کے کاروبار کو اس قدر ترقی ہوئی کہ آپ کا شمار قریش کے دولت مند ترین اشخاص میں ہونے لگا اور آپ کا لقب "غنی" پڑ گیا۔ اسی وجہ سے آپ تاریخِ اسلام میں حضرتِ عثمان غنی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرتِ ابوبکرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہوئے تھے۔ ہجرت سے پہلے آں حضرتؐ نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرتِ رقیہؓ کی شادی آپ سے کر دی تھی۔ جب وہ فوت ہو گئیں تو آپؐ نے اپنی تیسری صاحبزادی ام کلثومؓ ان کے عقد میں دے دی۔ اس لئے آپ کا لقب "ذوالنورین" بھی ہے۔ آپ ہجرتِ حبش اور ہجرت مدینہ دونوں سے مشرف ہوئے۔ دوسرے اکابر صحابہ کی طرح آپ بھی تمام غزوات میں (سوائے بدر کے) شریک ہوئے۔ بدر کے موقعہ پر آپ کی بیوی حضرتِ رقیہؓ سخت بیمار تھیں اور آں حضرتؐ نے آپ کو ان کی

بیماری کی حالت میں چھوڑنے سے منع کر دیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آپ ہی مسلمانوں کی طرف سے سفیر بنا کر کفارِ مکہ کی طرف بھیجے گئے تھے۔ آپ ہی کی شہادت کی خبر سُن کر آں حضرتؐ نے حدیبیہ کے مقام پر ایک کیکر کے درخت کے نیچے صحابہ سے جان کی قربانی طلب کی تھی۔ جسے قرآنِ پاک نے بیعتِ رضوان کا نام دیا۔ آپ اسلام کی راہ میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ جنگِ تبوک کے موقعہ پر آپ نے آدھی فوج کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سا نقد روپیہ اور دوسری چیزیں بھی پیش کی تھیں۔ اسی طرح مسجدِ نبوی کی آپ نے توسیع بھی کرائی۔ آپ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ کے مشیرِ خاص تھے۔ خلیفہ منتخب ہوتے کے وقت آپ کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔

پہلا مقدمہ

حضرتِ عثمانؓ کو نظامِ خلافت سنبھالتے ہی ایک بڑے نازک مسئلے سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرتِ عمرؓ کے دوسرے صاحبزادے عبیداللہ کو شک تھا کہ حضرتِ عمرؓ کی شہادت ایک سازش کا نتیجہ تھی جس میں حیرہ (عراق) کے ایک عیسائی جفینہ اور ایک پارسی سردار ہرمزان (جو اَب مسلمان ہو چکا تھا) برابر کے شریک تھے۔ اس شک کو عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کی اس گواہی نے پختہ کر دیا تھا کہ انھوں نے حضرتِ عمرؓ کی شہادت سے ایک شام پہلے آپ کے قاتل ابولولو اور ان دو اشخاص کو سرگوشیاں کرتے دیکھا تھا اور گھبراہٹ میں ان میں سے کسی کے ہاتھ سے ایک دودھاری خنجر گر پڑا تھا۔ جب عبیداللہ بن عمرؓ نے وہ خنجر جس سے حضرت عمر شہید ہوئے تھے منگا کر دیکھا تو وہ واقعی اسی وضع کا تھا۔ اس پر انہوں نے غصہ سے مغلوب ہو کر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ لیکن ان کو فوراً ہی گرفتار کر لیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے بعد سب سے پہلا مقدمہ

www.pdfbooksfree.pk

ان کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت علیؓ کی رائے تھی کہ عبید اللہ بن عمرؓ سے قصاص لیا جائے (یعنی قتل کے جرم میں انہیں موت کی سزا دی جائے) کیونکہ ان کا جرم ثابت ہے۔ لیکن بعض دوسرے صحابہ نے اس کی مخالفت کی کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کل حضرت عمرؓ شہید ہوئے اور آج ان کا بیٹا قتل کر دیا جائے۔ آخر حضرت عثمانؓ نے مقتولین کے وارثوں کو خون بہا لے کر قتل معاف کر دینے پر راضی کر لیا اور اپنے پاس سے خون بہا ادا کر کے اس قضیہ کو ختم کر دیا۔ آپ کے اس دانش مندانہ فیصلے کو بہت سراہا گیا۔

مشرق اور مغرب میں مزید اسلامی فتوحات

(الف) ایران میں بغاوت اور مزید فتوحات

حضرتِ عثمانؓ کے خلافت سنبھالنے کے کوئی چھ ماہ بعد ایران میں ایک زبردست بغاوت برپا ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گو یزدجرد شکست کھا کر ایران سے بھاگ چکا تھا۔ لیکن ایرانیوں کو ابھی تک اس کے واپس آنے کی آس تھی۔ سب سے پہلے ایران کے شمالی صوبوں آذربائیجان اور آرمینیہ میں بغاوت ہوئی۔ حضرتِ عثمان کے حکم سے عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی بن مسلمہ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی گئی۔ عبدالرحمٰن نے دشمن کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ لیکن وہ دربند کے مقام پہ دشمن کی ایک بہت بڑی جمعیت کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی سلمان ان کے جانشین مقرر ہوئے انہوں نے حبیب بن مسلمہ کے ساتھ مل کر دوبارہ ان علاقوں کو

فتح کر لیا اور بحیرہ خزر (CASPIAN SEA) تک اسلامی جھنڈے گاڑ دئے۔ انہی دنوں مشرقی ایران میں بھی ایک شورش رونما ہوگئی۔ مشرقی ایران بصرہ کے صوبے کے ماتحت تھا۔ بصرہ کے گورنر عبداللہ ابن عامر نے نہ صرف اس بغاوت کو فرو کیا۔ بلکہ خراسان سے آگے بڑھ کر ہرات، غزنی اور کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ ادھر ایک اور مسلمان جرنیل احنف بن قیس نے بلخ، بخارا اور خوارزم (موجودہ روسی اور چینی ترکستان) کو فتح کر کے اسلامی سرحد کو چین تک پہنچا دیا (لیکن ان علاقوں کے لوگ وقتاً فوقتاً بغاوتیں کرتے رہتے تھے اور بالآخر اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں پوری طرح زیر ہوئے) اسی دوران میں ایران کا آخری بادشاہ یزدجرد ترکستان میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے ہوئے ایک پن چکی والے کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس طرح ایران کے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ ۳۱ھ کا واقعہ ہے۔

(ب) رومیوں کے خلاف پیشقدمی جزیرہ قبرص (CYPRUS) کی فتح

سنہ ۲۸ھ

طاعون عمواس (جس میں حضرت ابوعبیدہ گورنرِ فلسطین اور یزید بن ابوسفیان گورنر شام فوت ہوگئے تھے) کے بعد حضرتِ عمرؓ نے معاویہ بن ابوسفیان کو پورے شام اور فلسطین کا گورنر بنا دیا تھا۔ حضرتِ عثمانؓ نے انہی کو گورنر رہنے دیا۔ شام میں ایک مدت سے امن تھا۔ لیکن حضرتِ عثمانؓ کی خلافت کے دوسرے سال قیصر کی افواج نے یکایک شام پر حملہ کر دیا۔ حضرتِ معاویہ نے ان کو شکست دے کر ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی یا اناطولیہ)

www.pdfbooksfree.pk

کا کچھ علاقہ بھی لے لیا۔ حضرتِ معاویہ نے اب شامی سرحد کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ رومی ادھر سے حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے پاس سمندری بیڑہ تھا اس لئے وہ جب چاہتے تھے شام کے ساحلی علاقوں پر چھاپے مارتے تھے۔ حضرتِ معاویہ مسلمانوں کی طرف سے بحری بیڑے کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے اور بارہا انہوں نے حضرتِ عمرؓ سے بحری بیڑے کی تیاری کی درخواست کی تھی۔ مگر حضرتِ عمرؓ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب معاویہ نے حضرت عثمانؓ سے پھر اجازت طلب کی۔ حضرتِ عثمانؓ نے اس شرط پر اجازت دی کہ کسی کو بحری بیڑے میں بھرتی ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔

۲۸ھ میں حضرتِ معاویہ نے ابو قیس کی سرکردگی میں ایک بیڑہ تیار کیا۔ ادھر سے مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح بھی ایک بیڑہ تیار کر کے آ ملے۔ دونوں نے مل کر قبرص (ساحلِ شام کے بالمقابل ایک بڑا جزیرہ جو آج کل انگریزوں کے قبضہ میں ہے اور مشرقی بحیرہ روم میں انگریزی بحری مرکز ہے) پر حملہ کیا۔ اور اس کو فتح کر لیا۔ اہلِ قبرص نے وہی خراج دینا منظور کیا جو وہ قیصر کو دیتے تھے۔ لیکن معاویہ نے ان سے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا کیونکہ مسلمانوں کی بحری طاقت ابھی اتنی مضبوط نہ تھی اور وہ ان لوگوں کی مکمل حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے تھے۔

قبرص کی فتح کے تین سال بعد (۳۱ھ میں) قیصرِ روم نے پانچ سو جہازوں کا بیڑہ تیار کر کے شام اور مصر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ کہا جاتا ہے کہ قیصر روم قسطنطین ثانی (ہرقل کا بیٹا) خود اس بیڑے کی کمان کر رہا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح مقابلے کے لئے نکلے۔ اگرچہ مسلمانوں کا بیڑہ تعداد اور

سازو سامان کے لحاظ سے رومی بیڑے سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود دست بدست لڑائی میں مسلمانوں نے رومیوں کو شکست دی۔ مسلمانوں کی یہ پہلی شاندار بحری فتح تھی۔ اس سے بحیرۂ روم میں ان کی دھاک بیٹھ گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ قبرص سے جبل الطارق تک تمام سمندروں پر چھا گئے۔ کہا جاتا ہے کہ قیصرِ روم نے یہاں سے بھاگ کر اٹلی کے جنوب میں جزیرہ سسلی میں پناہ لی اور وہیں اہلِ سسلی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

۳۔ فتح افریقہ اور بلاد الغرب ۲۷ھ

حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں مسلمان حضرتِ عمرو بن العاص کی سرکردگی میں مصر فتح کر چکے تھے۔ لیکن اس سے آگے ابھی تک ان کے قدم نہیں بڑھے تھے۔ حضرت عثمان رضؓ نے ۲۵ھ میں عمرو بن العاص کو خراج کی کمی کی بنا پر معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ حضرتِ عمرو ابن العاص کی معزولی کی خبر سن کر اہلِ سکندریہ نے بغاوت کر دی اور قیصرِ روم اس اہم بندرگاہ پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرتِ عثمانؓ نے اہلِ مصر کی درخواست پر عمرو ابن العاص کو دوبارہ مصر بھیجا انہوں نے رومیوں کو شکستِ فاش دے کر اسکندریہ پھر واپس لے لیا اور بطورِ حفظِ ماتقدم اس کی فصیل کو منہدم کرا دیا لیکن آپ کی ابن ابی سرح سے نہ نبھ سکی اور آپ کو دوبارہ مصر سے واپس بلا لیا گیا۔ اب ابن ابی سرح پورے طور پر مصر کا گورنر بن گیا۔

عبداللہ ابن ابی سرح افریقہ میں مغرب کے ممالک (طرابلس موجودہ لیبیا، ٹیونس وغیرہ جن کو عرب بلاد الغرب کہتے تھے) کو فتح کرنے کا بہت آرزو مند تھا۔ کیونکہ طرابلس میں جب تک رومی فوجیں موجود

www.pdfbooksfree.pk

تھیں، مسلمانوں کو مصر میں امن نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ ۲۷ھ میں حضرتِ عثمانؓ نے ابن ابی سرح کو باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوج کشی کی اجازت دے دی اور وہ طرابلس وغیرہ کو فتح کرتا ہوا ٹیونس تک پہنچ گیا۔ طرابلس کا رومی گورنر گریگوری (عرب مورخین اسے جرجیر کہتے ہیں) ایک لاکھ جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار اور اپنی لڑکی دوں گا۔ اس اعلان سے ڈر کر عبداللہ ابن ابی سرح اپنے خیمے سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ جب عبداللہ ابن زبیر مدینہ سے کمک لے کر میدانِ جنگ میں پہنچے اور انہیں تمام حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص گریگوری کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار ملیں گے اور گریگوری کی بیٹی بھی اسی کو عطا کی جائے گی۔ اس سے لڑائی کا پانسہ یک لخت پلٹ گیا۔ پہلے تو ابن سرح اپنے خیمے سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ اب گریگوری اپنا سر چھپاتا پھرا۔ آخر مسلمانوں نے جان توڑ کر حملہ کیا۔ گریگوری لڑتا ہوا مارا گیا اور اب مسلمانوں کے سامنے تمام شمالی اور مغربی افریقہ کھلا تھا۔ لیکن خلافتِ عثمانیؓ کے داخلی فتنوں کی وجہ سے (جن کا ذکر اب آئے گا) وہ آگے نہ بڑھ سکے۔

باب ۲۶

حضرتِ عثمانؓ کے خلاف انقلاب

اور

آپ کی شہادت

داخلی فتنہ یا خلافتِ عثمانیؓ کی کمزوری کے اسباب!

پچھلے باب کے واقعات سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ جہاں تک فتوحات کا تعلق ہے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ان میں کوئی کمی نہ آئی۔ البتہ حضرتِ عمرؓ کی فتوحات کے مقابلہ میں وہ اتنی شاندار نہ تھیں۔ آپ کے عہد میں جہاں بغاوت ہوئی، وہیں دبا دی گئی۔ سرحدات کو مضبوط کیا گیا۔ اور نئے ممالک مملکتِ اسلامیہ میں شامل کئے گئے۔ مسلمانوں نے پہلی بار متعدد بحری جنگوں میں شاندار فتوحات حاصل کیں۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ بحری جنگ کے اصولوں سے بالکل ناواقف تھے۔ ان واقعات کی بنا پر آپ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں نظامِ حکومت میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی لیکن اندر ہی اندر کچھ ایسے اسباب جمع ہو رہے تھے کہ جنہوں نے حضرتِ عثمانؓ کی خلافت کو کمزور کر دیا اور آخر ملتِ اسلامیہ کے جسم میں افتراق کا وہ

www.pdfbooksfree.pk

زہر داخل کر دیا جس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔

۱۔ حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں مسلمانوں کی توجہ فتوحات پر مرکوز رہی۔ آپ اپنے عمال اور دوسرے مسلمانوں کو مال و دولت جمع کرنے اور عجمی شان و شوکت دکھانے سے منع کرتے تھے۔ اگر آپ کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ مال و دولت دیکھتے تھے تو اسے بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ لیکن حضرتِ عثمانؓ کے زمانے میں میدانِ کارزار کی مصروفیتیں کم ہو گئیں اور لوگوں کی توجہ خارجی معاملات سے ہٹ کر اندرونی مسائل کی طرف ہو گئی۔ مسلمان مفتوحہ ممالک سے فائدہ اُٹھانے اور مال و دولت فراہم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہی ہاتھ جو پہلے قبضۂ شمشیر پر رہا کرتے تھے اب آقاؤں کی گدیوں کو سنبھالنے کے لئے بے قرار رہنے لگے۔

۲۔ حضرتِ عثمانؓ کے عہد تک بہت سے اکابر صحابہ فوت ہو چکے تھے اور ان کی تعداد روز بروز کم ہو رہی تھی۔ جو تھوڑے بہت باقی تھے وہ عمر کے تقاضوں کی وجہ سے عملی زندگی سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ ایک نئی پود نے لے لی تھی۔ مگر ان میں اپنے اسلاف جیسا اخلاص اور اطاعت کا جذبہ نہ تھا۔ مال و دولت کی فراوانی اور اقتدار کی ہوس نے ان میں رقابت کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔

۳۔ حضرتِ عثمانؓ کے عہد تک عرب اور خاص طور پر مدینہ اسلامی طاقت کا مرکز نہیں رہے تھے بلکہ ان کی جگہ عراق، شام اور مصر نے لے لی تھی۔ اب بصرہ، کوفہ اور فسطاط اسلامی سلطنت کے اصل مراکز تھے۔ ان نئی آبادیوں میں یا تو وہ لوگ آباد تھے، جنہیں

آں حضرت سے براہِ راست فیض حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ یا وہ عرب اور غیر عرب اقوام تھیں جن میں عرب کی قومی خصوصیات سرے سے مفقود تھیں یا مال و دولت کی فراوانی نے جن کی اخلاقی خصوصیات کو ماند کر دیا تھا۔

۴۔ حضرتِ عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ بڑے بڑے اکابر قریش کو جن کے دل میں آنحضرتؐ سے قرابت کی بنا پر یا ذاتی وجاہت کی بنا پر خلافت یا امارت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ مدینہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ملتِ اسلامیہ کے لئے اس سے زیادہ خطرناک اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اکابرِ قریش مختلف مقامات میں منتشر ہو جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص جہاد میں شریک ہونا بھی چاہتا تھا تو آپ یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ تمہارے لئے آنحضرتؐ کے زمانے میں غزوات میں شرکت کا ثواب ہی کافی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ روک اٹھا دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے بڑے بڑے افراد مختلف ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گئے اور وہاں بڑی بڑی جائیدادیں پیدا کر لیں۔ چونکہ ان کی حیثیت شاہی خاندان کے افراد کی سی تھی اس لئے بہت جلد انہوں نے اپنے اپنے اثر و اقتدار کے حلقے پیدا کر لئے۔

۵۔ اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کر لیا تھا، ان میں ابھی تک انتقامی جذبات موجود تھے۔ چونکہ ان میں ملتِ اسلامیہ پر باہر سے حملہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے ان میں سے کئی افراد محض اس لئے اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے کہ مسلمانوں کو باہمی مناقشات میں اُلجھا کر اسلام کو اندر سے کمزور کیا جائے۔

۶۔ ظہورِ اسلام سے پہلے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں خاندانی رقابت چلی

www.pdfbooksfree.pk

آتی تھی۔ آنحضرتؐ نے اس تفاخر کو مٹا کر اس اختلاف کو ختم کر دیا تھا حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اس لئے وہ کسی فریق کی پاسداری نہیں کرتے تھے۔ نیز حضرتِ عمرؓ کے دبدبے نے ان تمام متضاد عناصر کو دبائے رکھا۔ اس کے برعکس حضرتِ عثمانؓ اموی تھے اور ان کے مقابل دوسرے بہترین امیدوارِ خلافت حضرت علیؓ ہاشمی اس لئے خلافت کے مسئلہ پر ان دونوں خاندانوں کی پُرانی رقابت پھر اُبھر آئی۔ نیز حضرتِ عثمانؓ نے بنی امیہ کے افراد کو حکومت کے مختلف عہدوں پر مقرر کر کے بنی ہاشم کو اپنی حق تلفی کا احساس دلا دیا اور اس طرح اس پرانے حریفانہ جذبے کو پوری طرح بیدار کر دیا۔

۷۔ قریش کو ہمیشہ سے دوسرے عرب قبائل پر ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ اور وہ عرب قوم کا دل و دماغ سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے قدرتاً حکومت کے اہم عہدے انہی کے سپرد کئے جاتے تھے لیکن دوسرے عرب قبائل جن کی تلواریں روم و ایران کو فتح کرنے میں برابر کی شریک تھیں۔ قریش کے ساتھ اس امتیازی سلوک سے ناخوش تھے۔

۸۔ حضرتِ عثمانؓ فطرتاً نرم خو اور صُلح کل تھے وہ اپنی جیبِ خاص سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی امداد کرتے تھے اور بعض اوقات ان کو ذمہ دار عہدوں پر بھی مقرر کر دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ حضرتِ عمرؓ کے برعکس اپنے عمال کا سختی سے محاسبہ نہیں کرتے تھے۔ اور ان کی معمولی معمولی بدعنوانیوں سے چشم پوشی کرتے تھے۔ ان باتوں سے آپ کے مخالفین کو آپ پر نکتہ چینی کے مواقع مل گئے، اور آہستہ آہستہ آپ کے خلاف شکایات کا ایک دفتر ہو گیا۔

۹۔ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ کے عہد میں اسلامی نظامِ حکومت، جمہوریت اور آمریت کا ایک لطیف امتزاج تھا۔ یہ نظام ایک ایسے توازن پر قائم تھا جس کی نزاکت کو حاکم و محکوم دونوں سمجھتے تھے۔ نہ یہ خلفا شاہانِ روم و عجم کی طرح آمرِ مطلق تھے۔ اور نہ اکابر اور دوسرے مسلمان حکومت پر نکتہ چینی کرنے کے حق کو بے جا استعمال کرتے تھے۔ لیکن حضرتِ عثمانؓ کے زمانے میں جمہوریت اور آمریت کے اس توازن میں فرق آ گیا۔ اکابر صحابہ ایک ایک کر کے اُٹھ رہے تھے اور ان کی جگہ ایک نئی نسل لے رہی تھی۔ جو اسلامی سیاسی نظام کی ماہیت سے ناواقف تھی۔ اس لئے بعض شرارت پسند عناصر کو اسلامی جمہوریت، مساوات اور آزادی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ اس کے باوجود اگر حضرتِ عثمانؓ اپنے اختیارات کا صحیح استعمال کرتے تو اس شرارت کو شروع ہی میں دبایا جا سکتا تھا۔

حضرتِ عثمانؓ کے خلاف بغاوت

حضرتِ عثمانؓ کے خلاف مفسدین کی مہم کو تین مدارج میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے ان کی مخالفت کا رُخ آپ کے گورنر تھے۔ اس طرح یہ مہم صوبوں سے شروع ہوئی۔ دوسرے مرحلے میں ان لوگوں نے حضرتِ عثمانؓ پر الزامات تراشنے شروع کر دئے اور مرکز میں ان کی پوزیشن کو کمزور کیا۔ اب صوبائی گورنروں سے ہٹ کر حضرتِ عثمانؓ کی ذات ان کا ہدف تھی۔ تیسرے مرحلے میں مفسدین نے ایک متفقہ منصوبے کے ماتحت مدینہ میں پہنچ کر حضرتِ عثمانؓ کو شہید کر دیا اور اس طرح خلافتِ اسلامیہ میں پہلا سیاسی انقلاب رونما ہوا۔

الف:۔ صوبوں میں شورش: حضرتِ عثمانؓ کے خلاف تمام

www.pdfbooksfree.pk

شرارتوں کا سرچشمہ ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ دراصل یمن کا باشندہ تھا۔ حضرتِ عثمانؓ کے عہد میں مدینہ آیا اور بظاہر مسلمان ہو گیا۔ لیکن اس کا اصلی مقصد اسلام کو اندر سے تباہ کرنا تھا۔ جب حضرتِ عثمانؓ کی بعض تقرریوں پر لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو اسے اپنی سازش کو پھیلانے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اس نے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کی پُرانی عداوت کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانا شروع کیا کہ چونکہ حضرت علیؓ آں حضرتؐ کے وصی (وصیّت پر عملدرآمد کرنے والے) ہیں اس لئے خلافت ان کا حق ہے اور انہیں یہ حق ضرور ملنا چاہیئے اس بظاہر نیک مقصد کو سامنے رکھ کر ابن سبا نے ایک وسیع پراپیگنڈا پلان تیار کیا۔ جس کے ضروری اجزا یہ تھے:۔

۱۔ حضرتِ عثمانؓ کے خلاف بہتان تراشنا اور ان کی کنبہ پروری کی فرضی داستانیں مشہور کرنا۔

۲۔ عمالِ حکومت کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا اور ان کے خلاف صوبائی مراکز میں شورش پھیلانا۔

تھوڑے ہی عرصہ میں اس چالاک یہودی نے پروپیگنڈا کا ایک ایسا وسیع جال تیار کیا کہ دیکھتے دیکھتے شمالی ملک کی فضا خراب ہو گئی۔ الغرض اس نے تمام صوبوں کا دورہ کیا اور جہاں گیا وہیں اپنی خفیہ جماعت قائم کر دی۔ اس کا معمول تھا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو اور صوبہ جات سے مراکز کو عثمانی حکام کے فرضی مظالم کے متعلق خطوط بھیجتا تھا۔ تاکہ ایسا معلوم ہو کہ کوئی جگہ بھی عثمانی عمال کے مظالم سے محفوظ نہیں۔ دمشق والے بصرہ کے حالات پر ترس کھاتے اور بصرہ والوں کو مصر کے حالات پر رونا آتا۔ یہ سازش کچھ ایسی منظم تھی کہ تھوڑے ہی عرصے میں تمام ملک اس کی لپیٹ میں آگیا۔

عبداللہ بن سبا نے اپنی مہم کوفہ سے شروع کی جب وہاں سے نکالا گیا تو بصرہ چلا گیا۔ وہاں سے خارج البلد ہو کر مصر پہنچا اور مصر ہی کو اپنی تحریک کا مستقل مرکز بنا لیا۔ اتفاق سے ان صوبوں میں بعض ایسے حالات مجتمع ہو گئے جن سے اس کی تحریک کو خوب تقویّت پہنچی۔ کوفہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران گورنر تھے۔ ایک رقم کے متعلق ان کا جھگڑا حضرتِ عبداللہ ابن مسعود افسر بیت المال سے ہو گیا۔ جب اس معاملے نے طول کھینچا تو حضرتِ عثمانؓ نے سعد کو معزول کر کے ولید بن عتبہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ لیکن ابن سبا کے حامیوں نے ولید پر شراب خواری کا الزام لگا کر اس کو معزول کروا دیا۔ ولید کے بعد سعید بنؓ عاص کوفہ کے نئے گورنر مقرّر ہوئے۔ سعید نے عبداللہ بن سبا کو کوفہ سے خارج کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ اس پر اس کے حامیوں نے سعید کو بھی بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اور جب وہ مدینہ میں حضرتِ عثمانؓ سے ملنے گئے تو واپسی پر شورش پسندوں نے کوفہ کے دروازے ان پر بند کر دیے۔ مجبوراً حضرتِ عثمانؓ کو فسادی عناصر کے آگے جُھکنا پڑا۔ اور ان کے کہنے پر آپ نے ایک پُرانے صحابی حضرتِ ابوموسیٰ اشعری گورنر بصرہ کو کوفہ کا گورنر مقرّر کر دیا۔

اس دوران میں بصرہ اور مصر میں ابن سبا کے حامیوں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ حضرتِ عثمانؓ کے آغازِ خلافت میں حضرتِ ابوموسیٰ اشعری بصرہ کے گورنر تھے۔ یہ بڑے پایہ کے صحابی اور تجربہ کار افسر تھے لیکن شورش پسندوں نے ان کو بھی نہ چھوڑا۔ ان کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ ان کے قول و فعل میں مطابقت نہیں۔ وہ لوگوں کو پیدل جہاد میں شرکت کی ترغیب دیتے ہیں اور خود گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ حضرتِ عثمانؓ نے انہیں وہاں سے ہٹا کر کوفہ بھیج دیا اور اپنے ایک رشتہ دار عبداللہ ابن عامر

www.pdfbooksfree.pk

کو بصرہ کا گورنر بنا دیا۔ اُن کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ وہ کم عمر اور ناتجربہ کار ہیں۔ لیکن ابن عامر نے کم عمری کے باوجود ایران کی بغاوت دبانے اور نئے علاقے تسخیر کرنے میں بہت بہادرانہ کارنامے سرانجام دئے۔ لیکن اس کے باوجود مفسدین ان سے مطمئن نہیں تھے اور ان کے خلاف زہر اگلتے رہتے تھے۔

مصر، بصرہ اور کوفہ سے بھی بڑھ کر ابن سبا کی تحریک کا مرکز بن گیا۔ ابن سبا جب کوفہ اور بصرہ سے نکالا گیا تو اس نے مصر کو اپنا مستقل مستقر بنا لیا۔ اتفاق سے اسے یہاں اپنی سازش کو مکمّل کرنے کے لئے سازگار فضا مل گئی۔ مصر میں حضرتِ عثمانؓ کی طرف سے عبداللہ بن ابی سرح گورنر تھے۔ لیکن سبائی بہت جلد ان کے مخالف ہو گئے۔ مصر میں ابن سبا کی تحریک خوب پھلی پھولی۔ کیونکہ اسے یہاں دو بااثر صحابی محمّد بن ابو بکرؓ (خلیفۂ اوّل کا لڑکا) اور محمّد بن ابو حذیفہ مل گئے۔ شام کے گورنر حضرتِ معاویہ بن ابو سفیان تھے۔ یہ حضرتِ عمرؓ کے زمانے سے اس صوبے کے گورنر چلے آرہے تھے اور اعلیٰ درجہ کے منتظم اور مدبّر تھے۔ لیکن وہ اپنے تدبّر کے باوجود ان شورش پسندوں کی ریشہ دوانیوں سے نہ بچ سکے۔ یہاں مفسدین نے ایک دوسرا حربہ استعمال کیا۔ شام میں حضرتِ عمرؓ کے زمانے سے ایک مقتدر صحابی حضرتِ ابوذر غفاری مقیم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مال و زر جمع کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ خود تارک الدنیا ہو گئے تھے اور دوسروں کو مال و دولت جمع کرنے سے منع فرماتے رہتے تھے۔ مفسدین نے انہیں بہکایا کہ حضرتِ معاویہ بیت المال کو اللہ کا مال کہتے ہیں۔ تاکہ حکومت کا قبضہ اس پر رہے اور مسلمانوں کو اس میں سے کچھ نہ ملے۔ یہ سُن کر حضرتِ ابوذرؓ معاویہ کے پاس گئے کہ تم بیت المال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہو۔ معاویہ نے جواب دیا

کہ سب چیز اللہ کی ہے۔ ابوذر نے انہیں ڈانٹا کہ نہیں ایسا نہیں کہنا چاہیئے۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اس کے بعد حضرتِ ابوذر نے اس خیال کی اشاعت شروع کر دی کہ کسی کو مال و دولت جمع کرنے کا حق نہیں۔ اس سے مسلمانوں میں امیری اور غریبی کے سوال پر ایک نیا اختلاف رونما ہو گیا۔ حضرتِ عثمانؓ نے حضرتِ معاویہؓ کے کہنے پر حضرتِ ابوذرؓ کو شام سے واپس بلا کر مدینہ کے قریب ایک مقام ربذہ میں بھیج دیا۔ بعد میں مخالفین نے اس واقعہ کو بھی حضرتِ عثمانؓ کے خلاف استعمال کیا کہ انہوں نے ایک مقتدر صحابی کو جلاوطنی کی سزا دی۔

ب:۔ حضرتِ عثمانؓ کے خلاف الزامات اور اُن کی حقیقت

حضرتِ عثمانؓ کے صوبائی حکام کو بدنام کرنے کے بعد باغیوں نے اپنی سکیم کے دوسرے حصّے کو عملی جامہ پہنایا۔ یعنی انہوں نے اب حضرتِ عثمانؓ کی ذات کو ہدف بنانا شروع کر دیا۔ گورنروں کے پے در پے عزل و تقرّر نے مفسدین کے حوصلے کو بہت بڑھا دیا اور اب انہوں نے آپ کے گورنروں کو چھوڑ کر خود آپ کی ذات پر حملے شروع کر دئے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان الزامات پر ایک نظر ڈالی جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ الزامات کس قدر بے حقیقت ہیں:۔

۱۔ **کنبہ پروری**:۔ آپ کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ لگایا گیا تھا کہ آپ اکابر صحابہ کو نظر انداز کر کے اپنے خاندان (یعنی بنی امیہ) کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو افسر مقرر کرتے تھے۔ اس الزام کے دو حصّے ہیں: اوّل، اکابر صحابہ کو نظر انداز کرنا۔ جہاں تک اس حصّے کا

تعلق ہے اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے عہدِ خلافت تک بیشتر صحابہ ضعفِ پیری کی وجہ سے حکومت کی کوئی اہم ذمہ داری سنبھالنے کے قابل نہ رہے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ عملاً سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ اس الزام کا دوسرا حصہ بنی امیہ کے ناتجربہ کار لوگوں کو مقرر کرنا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بذاتِ خود کوئی بری بات نہیں۔ حکومت کے اعلیٰ عہدوں کا معیار ذاتی قابلیت ہے اور جہاں تک ہم دیکھتے ہیں آپ نے جن لوگوں کو منتخب کیا وہ ہر لحاظ سے اچھے منتظم اور فاتح نکلے۔ مثلاً آپ کے ایک نوجوان گورنر ابن عامر نے تعرّنی اور کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اور اسلامی سلطنت کی مشرقی سرحد ہندوستان تک پہنچا دی۔ اسی طرح ایک اور گورنر عبداللہ بن ابی سرح والیٔ مصر نے شمالی افریقہ کا بہت سا علاقہ اسلامی مملکت میں شامل کر دیا۔

۲۔ حکام سے باز پرس نہ کرنا :۔ آپ کے خلاف دوسرا الزام یہ ہے کہ آپ اپنے عمال سے باز پرس نہیں کرتے تھے۔ اس الزام میں بھی کوئی صداقت نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے متعدد عامل لوگوں کی شکایات پر برطرف کر دئے۔ ولید بن عتبہ اور سعید بن عاص کی معزولی انہی شکایات کا نتیجہ تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے تمام ملک میں اعلان کرا دیا کہ حج کے موقعہ پر تمام عامل جمع ہوں اور جس شخص کو کسی کے خلاف شکایت ہو وہاں پیش کی جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی بدعنوانی آپ کے علم میں آتی تھی تو آپ حتی الوسع اس کا تدارک کرتے تھے۔

۳۔ بعض اکابر صحابہ سے ناروا سلوک :۔ تیسرا الزام آپ کے خلاف یہ لگایا گیا کہ آپ نے بعض اکابر صحابہ خصوصاً حضرتِ ابوذر غفاری اور حضرتِ عبداللہ بن مسعود سے ناروا سلوک کیا اور بعض دوسرے

صحابہ کو بے جا طور پر معزول کیا۔ اس الزام میں بھی کوئی حقیقت نہیں۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرتِ ابوذر غفاری شام میں دولت مندوں کے خلاف وعظ کرتے پھرتے تھے اور چونکہ اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا اس لئے حضرتِ معاویہ کی درخواست پر آپ نے حضرتِ ابوذر غفاری کو شام سے واپس بلا لیا اور وہ مکہ کے قریب ایک ویرانے میں گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرتِ عبداللہ بن مسعود ایک مقتدر صحابی تھے۔ ان پر صرف اتنی سختی کی گئی کہ ان کا وظیفہ بند کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرتِ عثمانؓ نے حضرتِ ابوبکرؓ کے ترتیب دئے ہوئے قرآنِ پاک کے مستند نسخے کی نقلیں مختلف صوبوں میں بھجوائیں تو آپ (یعنی حضرتِ عثمانؓ) نے باقی تمام غیر مستند نسخے جلوا دئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بھی ایک غیر مستند نسخہ تھا جسے وہ دینے یا ضائع کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اس پر حضرتِ عثمانؓ نے ان کا وظیفہ بند کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود کا اپنے غیر مستند نسخے پر اڑے رہنا وحدتِ ملّی کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لئے اگر حضرتِ عثمانؓ نے اس سلسلہ میں ان پر کوئی سختی کی تو یہ چنداں قابلِ گرفت نہیں۔

۴۔ بیت المال کا ناجائز استعمال : چوتھا الزام یہ ہے کہ آپ نے بیت المال کا ناجائز استعمال کیا۔ اور حکومت کے خزانہ سے اپنے بعض عزیزوں کو بڑی بڑی رقمیں دیں۔ مثلاً آپ نے اپنے چچازاد بھائی مروان بن حکم کو ایک معرکے کی خمس (غنیمت کا پانچواں حصہ جو مرکزی حکومت کو بھیجا جاتا تھا) کی تمام رقم دے دی اور اسی طرح اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو خمس (پانچواں حصہ) عطا کر دیا اور اپنے ایک اور عزیز عبداللہ بن خالد کو پچاس ہزار درہم دے دئے۔ جہاں تک مروان بن حکم کو خمس دینے کا تعلق ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ اس نے

www.pdfbooksfree.pk

طرابلس کے مالِ غنیمت میں خمس (یعنی حکومت کے حصہ) کو پانچ لاکھ درہم میں خرید لیا تھا اور یہ ساری رقم بیت المال میں جمع کر دی گئی تھی۔ عبداللہ ابن ابی سرح اور عبداللہ بن خالد کو جو رقوم عطا کی گئی تھیں وہ ان کی شاندار فتوحات کے صلے میں تھیں۔ لیکن جب باقی مسلمانوں نے اعتراض کیا تو ان سے یہ رقمیں واپس لے لی گئیں۔ مخالفین نے بعد میں ان واقعات کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ حضرتِ عثمانؓ کی داد و دہش کے غلط قصے اس لئے مشہور ہو گئے تھے کہ آپ بہت دولت مند تھے اور اس کے ساتھ فیاض بھی۔ آپ اپنی ذاتی دولت ہی سے اپنے عزیزوں (خصوصاً غریب عزیزوں) کی مدد کرتے رہتے تھے۔ جسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے رہتے تھے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے کبھی ایک پیسہ بھی بیت المال میں سے نہ لیا۔ حالانکہ ایسا کرنا ان کا حق تھا۔ چہ جائیکہ وہ بیت المال کو بے جا طور پر استعمال کرتے۔

۵۔ **قرآنِ پاک کے نسخے جلوانا**: آپ پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ آپ نے قرآنِ پاک کے بعض نسخے جلوا دیئے اور اس طرح خدا کے کلام کی بے حرمتی کی۔ اس الزام کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی قرآنِ پاک کی قرأت اور تلفظ کے کئی طریقے رائج ہو گئے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے اپنی اپنی قرأتوں کو تحریر میں لانا شروع کر دیا۔ چونکہ ان نسخوں میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس لئے حضرتِ عثمانؓ نے صحابہ سے مشورہ کے بعد حضرتِ ابوبکرؓ کے جمع کئے ہوئے نسخے کی نقلیں کرا کر مختلف شہروں میں بھیج دیں اور باقی غیر مستند نسخوں کو ضائع کرا دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مخالفین جس چیز کو قرآن کی بے حرمتی کہتے تھے وہ دراصل حضرتِ عثمانؓ کی

سب سے بڑی اسلامی خدمت ہے۔ اگر آپ یہ خدمت سرانجام نہ دیتے تو آج قرآنِ پاک کو بھی اسی طرح مسخ کر دیا جاتا جس طرح کہ بعض دوسرے مذاہب کی مقدس کتابوں کے ساتھ ہوا۔

شکایات کی تحقیقات اور اُس کے نتائج

جب ہر طرف سے (مفسدین کی سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے ماتحت) شکایات کے دفتر مدینہ میں پہنچنے شروع ہو گئے تو اس سے بعض صحابہ کے دل میں یہ شک گزرا کہ ممکن ہے حضرت عثمانؓ دیدہ و دانستہ اپنے عمال (جو زیادہ تر بنی امیہ میں سے تھے) کی پردہ پوشی کر رہے ہوں۔ یا آپ اصل حالات سے ناواقف ہوں۔ اس لئے بعض صحابہ نے حضرتِ علیؓ کو آپ کے پاس صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ اس گفتگو کے بعد یہ قرار پایا کہ مختلف صوبوں میں تحقیقاتی وفد بھیجے جائیں جو وہاں کے حالات کے متعلق رپورٹ کریں۔ چنانچہ چار مقتدر صحابہؓ محمد بن مسلم، اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر اور عمار بن یاسر کو علی الترتیب کوفہ، بصرہ، شام اور مصر کی تحقیقات پر مقرر کیا گیا۔ ان میں سے عمار بن یاسر بہت سادہ لوح تھے اس لئے وہ مفسدین کے پھندے میں پھنس کر واپس ہی نہ آئے باقی تینوں نے رپورٹ کی کہ صوبائی حکام کے مظالم کی کہانیاں سر تا پا جھوٹ ہیں۔

حضرتِ عثمانؓ نے تنہا اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ تمام ملک میں اعلان کروا دیا کہ آئندہ حج (یعنی سنہ ۳۲ھ) کے موقع پر تمام عمال جمع ہوں گے جس شخص کو ان کے خلاف شکایت ہو وہ اس موقع پر حاضر ہو کر اپنی شکایت پیش کرے۔ جب حج کا موقع آیا اور تمام حکام حاضر ہوئے تو شکایت کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ

www.pdfbooksfree.pk

تمام شرارت کسی سازش کا نتیجہ تھی۔ چونکہ تمام صوبائی عمال اور گورنر جمع تھے، اس لئے حضرتِ عثمانؓ نے ان کی کانفرنس کی۔ سب نے یہی کہا کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی ہوئی سازش کے ماتحت ہو رہا ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ مفسدین کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ مگر آپ نے یہ مشورہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ان لوگوں کی اصلاح کی کوشش کروں گا۔ حضرتِ معاویہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ ان کے ساتھ شام چلے چلیں لیکن آپ نے دیارِ رسولؐ کو کسی قیمت پر چھوڑنا گوارا نہ کیا، اور جب معاویہ نے آپ کی حفاظت کے لئے ایک فوجی دستہ بھیجنے کی پیش کش کی تو آپ نے اسے بھی رَدّ کر دیا۔ ان اسباب کی بنا پر یہ کانفرنس بھی بے نتیجہ رہی۔

ج: حضرتِ عثمانؓ کی شہادت ۳۵ھ

ادھر حضرت عثمانؓ اس شورش کو روکنے کی تدابیر سوچ رہے تھے اور ادھر مفسدین نے آخری قدم اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ یہ تھا کہ مدینہ پر یورش کی جائے اور حضرت عثمانؓ کو خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ یہ باتیں مفسدین آپس میں خط و کتابت کے ذریعے طے کر چکے تھے۔ چنانچہ ۳۵ھ میں حج کے موقع پر جب مدینہ تقریباً خالی ہو جاتا تھا۔ باغیوں کے قافلے حج کے بہانہ سے بصرہ، کوفہ اور مصر سے ایک ہی وقت روانہ ہوئے اور مدینہ سے چند میل باہر آکر ٹھہر گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اہلِ مدینہ ان کا ساتھ دیں گے اس لئے ان لوگوں نے تین اکابر صحابہ حضرتِ طلحہؓ۔ حضرتِ زبیرؓ اور حضرتِ علیؓ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن اس میں ان کو سخت ناکامی ہوئی۔ حضرتِ عثمانؓ نے مفسدین کو ایک دن نمازِ جمعہ کے بعد نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی مگر ان لوگوں

نے آپ کی ایک بات نہ سُنی اور آپ کو پتھر مار کر زخمی کر دیا۔ حضرتِ علیؓ اور دیگر صحابہؓ چاہتے تھے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے مگر حضرتِ عثمانؓ یہ نہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں خون خرابہ کی نوبت آئے۔ آخرکار حضرتِ علیؓ اور تقریباً تیس صحابہ کے ایک وفد نے باغیوں کو یہ یقین دلایا کہ حضرتِ عثمانؓ اپنے عمال کو بدل دیں گے۔ اس پر باغی بظاہر خوش خوش واپس جانے پر تیار ہو گئے۔

جب مفسدین واپس ہو گئے تو اہلِ مدینہ یہ سمجھے کہ اب فساد رفع دفع ہو گیا اور سب لوگ اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔ لیکن یکلخت مدینے کی گلیاں، باغیوں کے نعروں سے پھر گونج اُٹھیں۔ حضرتِ علیؓ پھر باغیوں کے سرغنوں سے ملے اور ان کے واپس آنے کا سبب پوچھا مصری باغیوں نے آپ کو والیٔ مصر کے نام حضرتِ عثمانؓ کا ایک خط دکھایا جس پر بظاہر حضرتِ عثمان کی مُہر تھی اور جس میں یہ لکھا تھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ نے بصرہ اور کوفہ کے باغیوں سے پوچھا کہ "تم لوگوں کے راستے مختلف تھے تمہیں کس طرح اس خط کا پتہ چل گیا، اور تم بیک وقت پھر واپس آ گئے۔ باغیوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا صاف ظاہر تھا کہ ان لوگوں نے پہلے ہی سے سازش کر رکھی ہے لیکن حضرتِ علیؓ ان کی مزید تسلّی کے لئے ان کو حضرتِ عثمانؓ کے پاس لے گئے۔ حضرتِ عثمانؓ نے قسم کھا کر کہا کہ یہ خط ان کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ اب باغیوں نے ایک اور چال چلی اور کہنے لگے کہ اگر آپ نے یہ خط لکھا ہے تو آپ نے بدعہدی کی اور اس لئے آپ خلافت کے اہل نہیں اور اگر آپ نے نہیں لکھا اور آپ کی لاعلمی میں آپ کی مُہر لگائی گئی ہے تو اس صورت میں بھی آپ خلافت کے اہل نہیں۔ اس لئے آپ خلافت سے دست بردار

www.pdfbooksfree.pk

ہو جائیے"۔ حضرتِ عثمانؓ نے جواب دیا کہ جو خلعت خدا نے مجھے پہنایا ہے میں اپنے ہاتھوں سے اسے نہ اُتاروں گا۔

باغی اب مدینہ پر پورے طور پر قابض تھے۔ بہت سے اکابر صحابہ کچھ تو حضرتِ عثمانؓ کے کہنے پر اور کچھ اس خیال سے کہ باغی اب واپس جا چکے ہیں۔ مدینہ سے باہر چلے گئے تھے۔ جب باغیوں نے دیکھا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہونے پر راضی نہیں تو انہوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حضرتِ امام حسینؓ اور چند دوسرے نوجوانوں نے مسلح ہو کر آپ کے دروازہ پر پہرہ دینا شروع کر دیا۔ لیکن ان کی تعداد اتنی نہ تھی کہ باغیوں کو بزور وہاں سے ہٹا دیتے۔ یہ محاصرہ چالیس روز تک جاری رہا اور سخت سے سخت تر ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ آخری دنوں میں کھانے پینے کی چیزیں بھی اندر نہیں جا سکتی تھیں۔ باغیوں نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے گا اُسے کچھ نہ کہا جائے گا۔ لیکن جو شخص باہر نکلے گا، اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ اہلِ مدینہ کا یہی خیال تھا کہ باغی محض دباؤ سے کام نکالنا چاہتے ہیں اور حضرتِ عثمانؓ کے عزم و ثبات کے سامنے خود بخود دب جائیں گے لیکن ان کا یہ خیال غلط نکلا۔ باغی حضرتِ علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے اور حضرتِ عثمانؓ کسی صورت میں باغیوں پر ہاتھ اُٹھانے پر راضی نہ تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ سے سُن رکھا تھا کہ "جب مسلمانوں میں ایک بار تلوار کھنچ جائے گی تو وہ قیامت تک بے نیام رہے گی"۔ لہٰذا حضرتِ عثمانؓ کی یہ خواہش تھی کہ ملتِ اسلامیہ کو اس عذاب سے جہاں تک ہو سکے بچایا جائے اور آپ کی طرف سے پہل نہ ہو۔ آخر کار باغی آخری قدم اُٹھانے پر تُل گئے۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اب مدینہ سے حج پر گئے ہوئے لوگ واپس آ جائیں گے۔

اور ممکن ہے باہر سے بھی حضرت عثمانؓ کی امداد کے لئے کچھ فوج آ جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی شہادت کا یقین تھا۔ اس لئے آپ مطمئن ہو کر اندر بیٹھ گئے اور جُوں جُوں دن گزرتے گئے آپ کا تمام وقت تلاوتِ قرآنِ پاک میں گزرنے لگا۔ آخر باغیوں نے آپ کو شہید کرنے کا پکّا ارادہ کر لیا۔ چونکہ صدر دروازہ پر حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا پہرہ تھا۔ اس لئے باغیوں نے اس محافظ دستے کی توجہ ادھر مشغول رکھنے کے لئے صدر دروازہ میں آگ لگا دی اور خود ایک ہمسایہ کی دیوار پھاند کر پچھلی طرف سے آپ کے مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ چونکہ آپ کا مکان بہت بڑا تھا۔ اس لئے امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ جب باغی حضرتِ عثمانؓ کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ سب سے پہلے محمد بن ابوبکرؓ جو باغیوں کے ایک سرغنہ تھے آگے بڑھے اور آپ کی داڑھی پکڑ لی آپ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ "اے بھتیجے! اگر آج ابوبکرؓ زندہ ہوتے تو انہیں تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی"۔ وہ یہ سُن کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس کے بعد دوسرے باغی آگے بڑھے اور آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی بیوی نے آپ کو بچانے کی کوشش کی مگر اس کشمکش میں ان کی چند اُنگلیاں تلوار سے کٹ گئیں۔ آپ کی شہادت ۱۰ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ہوئی۔ جب آپ کی شہادت کی خبر مدینہ میں مشہور ہوئی تو تمام مدینہ سکتے میں آ گیا لیکن چونکہ باغیوں کا خوف و ہراس سب کے دلوں پر چھایا ہوا تھا اس لئے کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا۔ حضرتِ علیؓ اور دیگر اکابر صحابہ اس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے۔ آپ کی نعش تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر حضرتِ علیؓ کی سفارش سے انہیں دفنانے

www.pdfbooksfree.pk

اجازت لی اور آپ کو نہایت عجلت کے ساتھ شام کی تاریکی میں یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان بھی چھپا دیا گیا اس طرح کابل سے مراکش تک کا فرمانروا انتہائی بے کسی کی حالت میں سپردِ خاک کیا گیا۔

سیرتِ عثمان رضؓ

حضرتِ عثمانؓ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو آپ کا حلم اور درگزر کا مادہ ہے۔ آپ فطرتاً بہت نرم خو اور صلح کُل واقع ہوئے تھے اور کسی سے بگاڑ نہیں چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کے خلاف بھی کوئی سخت قدم اُٹھانے سے انکار کیا۔ درآنحالیکہ وہ لوگ آپ کی جان کے در پے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات آپ کے عمال آپ کی اس خوبی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔ آپ کا دوسرا امتیازی وصف فیاضی ہے۔ آپ سرمایہ دار تھے۔ لیکن آپ نے ہمیشہ اپنے آپ کو سرمایہ داری کی لعنتوں سے پاک رکھا۔ جہاں آپ لاکھوں کماتے تھے وہاں آپ لاکھوں اللہ کی راہ میں لُٹا بھی دیتے تھے۔ کیا اپنے اور کیا بیگانے سب آپ کے خوانِ کرم سے فیض یاب تھے کہتے ہیں کہ آپ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ آپ اپنی جیب خاص سے سینکڑوں بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرتے تھے۔ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح آپ بھی سُنتِ نبوی کی بڑی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ آپ کو ذاتِ رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی اور آپ آں حضرتؐ کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جاتے تھے۔ مذہبی علوم میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا قرآنِ پاک سے آپ کو خاص شغف تھا اور آخری ایام میں تو آپ

ہر وقت اس کی تلاوت میں منہمک رہتے تھے۔

خلافتِ عثمانی پر ایک نظر

آپ کی خلافت کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن و سکون سے گزرے۔ اس کے بعد خارجی خلفشار شروع ہو گیا۔ لیکن اس قلیل مدت میں بھی آپ نے خلافتِ اسلامیہ اور مسلمانوں کی مندرجہ ذیل قابلِ قدر خدمات سر انجام دیں:۔

۱۔ **بغاوتوں کا استیصال**:۔ حضرتِ عمرؓ کی وفات کے بعد مفتوحہ ممالک کے مختلف حصّوں میں بغاوت رونما ہو گئی تھی۔ مشرقی اور شمالی ایران کے متعدد صوبے خصوصاً خراسان۔ آذر بائیجان وغیرہ باغی ہو گئے تھے اور ادھر قیصرِ رُوم نے اسکندریہ کو مسلمانوں سے چھین لیا تھا۔ آپ نے نہایت مستعدی سے ان بغاوتوں کا استیصال کیا اور یہ تمام علاقے پھر واپس لے لئے۔

۲۔ **مزید فتوحات**:۔ آپ کے عہد میں نہ صرف بغاوتوں کو فرو کیا گیا بلکہ مزید علاقے بھی اسلامی قلمرو میں شامل کئے گئے۔ آذربائیجان اور آرمینیہ کے غیر مفتوحہ علاقے عہدِ عثمانی میں ہی فتح ہوئے۔ ایشیائے کوچک اور ترکستان کے بہت سے علاقے بھی فتح کئے گئے۔ مشرق میں اسلامی مملکت کی سرحدیں کابل اور سندھ تک پہنچ گئیں۔ بحیرہ روم میں قبرص پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور شمالی افریقہ میں مراکش تک اسلامی فوجیں پہنچ گئیں۔ ان فتوحات نے سپین کی فتح کا راستہ صاف کر دیا۔

۳۔ **بحری بیڑے کا قیام**۔ آپ کے زمانے کا ایک اور قابلِ قدر اضافہ بحری بیڑے کا قیام تھا۔ حضرتِ عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے۔ اور اگر یہ پابندی رہتی تو اسلامی فتوحات میں مزید اضافے کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ لیکن آپ نے یہ روک اُٹھا دی اور

www.pdfbooksfree.pk

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں امیر معاویہ گورنر شام، اور ابن ابی سرح گورنر مصر نے مل کر ایک بڑا مضبوط بیڑا تیار کر لیا، اور تمام بحیرۂ روم میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

۴۔ **رفاہِ عامہ**: حضرتِ عمرؓ کی طرح آپ نے بھی بہت سے رفاہِ عامہ کے کام سر انجام دئے۔ آپ کے زمانے میں کئی سڑکیں، پُل اور مسافر خانے تعمیر ہوئے۔ عرب میں پانی کی ہمیشہ قلت رہتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر آپ نے کئی کنوئیں کھدوائے۔ شمال کی جانب سے مدینہ اکثر سیلاب کی زد میں آ جاتا تھا۔ آپ نے ایک بند تعمیر کروا کر اس سیلاب کا رُخ پھیر دیا۔ اور اس طرح مدینہ ہمیشہ کے لئے اس خطرہ سے محفوظ ہو گیا۔ تعمیرات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے روشن کارنامہ مسجدِ نبوی کی از سرِ نو تعمیر اور توسیع ہے آپ نے آس پاس کے مکانات خرید کر اس کو وسیع کر دیا اور اب کے نئی عمارت پتھروں سے تعمیر ہوئی اور اس کو نقش و نگار سے مزین کیا گیا۔

۵۔ آپ کی سب سے قابلِ قدر اسلامی خدمت قرآنِ پاک کے مستند نسخے کی اشاعت ہے۔ اس طرح آپ نے خدا کے کلام کو تحریف سے بچا لیا۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جب عرب کے مختلف حصّوں کے لوگ مسلمان ہوئے تو قرآنِ پاک کی مختلف قرأتیں رائج ہو گئی تھیں لیکن ان سے معانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن جب غیر عرب قومیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، اسلام میں داخل ہوئیں تو یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں قرأت کے اختلاف کی بنا پر قرآنِ پاک کے معانی میں بھی اختلاف نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس کا تدارک کرنے کے لئے آپ نے حضرتِ ابوبکرؓ کے ترتیب دئے ہوئے نسخے کو

(جو آں حضرتؐ کی بیوہ اور حضرتِ عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا) منگا کر اس کی متعدد نقلیں تیار کروائیں اور ان کو خلافتِ اسلامیہ کے مختلف مراکز میں بھجوا دیا۔ اس طرح آپ نے مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک مصحف پر جمع کر دیا۔

آپ کی حکومت کے متعلق عموماً کہا جاتا ہے کہ کمزور تھی اور اس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ آپ حضرتِ عمرؓ کی طرح، اپنے عمال پر سخت نگرانی نہیں کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ میں بعض ذاتی کمزوریاں تھیں مثلاً آپ فطرتاً نرم خُو اور خطا پوش تھے لیکن اس سے یہ استدلال کرنا کہ آپ کی حکومت بھی کمزور تھی۔ غلط ہے۔ آپ کے خلاف جو فتنہ اُٹھا وہ بہت تھوڑے آدمیوں تک محدود تھا۔ عوام نے اس شورش میں کوئی حصّہ نہیں لیا۔ ہمیں یہ بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ آپ کا عمال پر احتساب حضرتِ عمرؓ کی طرح سخت نہ تھا۔ لیکن آپ کسی ایسی بدعنوانی کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ جس سے اخلاقِ عامہ یا حکومت کے نظام پر بُرا اثر پڑتا ہو۔ اس سلسلہ میں آپ نے متعدد حکام کو سزائیں دیں۔ چنانچہ حضرتِ سعد بن ابی وقاص کو بیت المال کا روپیہ غبن کرنے کے الزام میں معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ کو شراب نوشی کے جرم میں برطرف کرنے کے علاوہ دُروں کی شرعی سزا بھی دی گئی۔ سعید بن عاص اور حضرتِ ابو موسیٰ اشعری کو عوام کی شکایات پر معزول کر دیا۔ اگر آپ کی حکومت کمزور تھی تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کے زمانے میں متعدد بغاوتیں فرو ہوئیں۔ بلکہ مزید علاقوں کو فتح کر کے اسلامی سرحدوں کو مضبوط کیا گیا۔ آپ ہی کے زمانے میں بحری بیڑے کی ابتدا ہوئی اور قیصرِ روم کی مصر پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش ناکام بنا دی گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کا قدم آگے ہی بڑھا، پیچھے نہ ہٹا۔ جس عزم و ثبات سے آپ نے اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور وحدتِ ملی کی خاطر جان دے دی۔ مگر ان کے ناجائز مطالبات کے آگے سر نہ جھکایا، اس سے آپ کے کردار کی مضبوطی کا پتہ چل سکتا ہے۔

حضرتِ علیؓ کا دورِ خلافت

۳۵ھ تا ۴۰ھ

خلافت چار سال نو مہینے

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۷

حضرتِ علیؓ کا انتخاب

اور

جنگِ جمل ۳۶ھ

حضرت علیؓ کا انتخاب

جس دن سے باغی مدینہ میں داخل ہوئے تھے، اُسی دن سے ان کا دارالخلافہ پر تسلط ہوگیا تھا۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ باغی کوئی سخت قدم نہیں اُٹھائیں گے اور کوئی نہ کوئی مصالحت کی راہ نکل آئے گی۔ اس لئے اکابر صحابہ یا تو مدینہ سے باہر چلے گئے یا اپنے مکانوں میں بند ہو کر بیٹھ رہے۔ جب یکایک حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو تمام شہر سکتے میں آگیا۔ باغی باری باری حضرت علیؓ۔ حضرتِ طلحہؓ اور حضرتِ زبیرؓ کے پاس جاتے اور انہیں خلافت کا منصب سنبھالنے کے لئے کہتے۔ لیکن ان حالات کے ماتحت ان میں سے کوئی بھی راضی نہ ہوتا تھا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پانچ روز تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ پانچویں روز اہل شہر اور باغیوں کے ایک وفد نے حضرتِ علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر خلافت

www.pdfbooksfree.pk

کا منصب سنبھالنے کی درخواست کی۔ حضرتِ علیؓ نے پہلے تو تامّل کیا لیکن مفادِ عامہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے آپ کو یہ اہم منصب قبول کرنا پڑا۔ حضرتِ عمرؓ مرتے وقت اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے جن چھ اشخاص کو نامزد کر گئے تھے۔ ان میں طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے۔ حضرتِ علیؓ نے اس خیال کے ماتحت کہ ممکن ہے یہ دونوں اب بھی خلافت کے خواہشمند ہوں۔ ان ہر دو بزرگوں کو بلایا اور ان کو خلافت کی پیش کش کی۔ مگر ان دونوں نے انکار کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بعد میں ان دونوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ان سے جبراً بیعت لی گئی تھی۔ چونکہ باغیوں کے تسلّط کی وجہ سے آپ کا انتخاب آزادانہ فضا میں نہیں ہوا تھا۔ (اور نہ ہی ان حالات کے ماتحت ہو سکتا تھا) اس لئے بہت سے اکابر صحابہ نے آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ حضرتِ عثمانؓ کے رشتہ دار اور بنی اُمیہ کے بہت سے افراد اس سے پہلے ہی مکہ معظّمہ یا شام کی طرف بھاگ چکے تھے۔ ان میں سے ایک شخص حضرت عثمانؓ کی خون آلود قبا اور ان کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں اپنے ساتھ لیتا گیا۔ جہاں امیر معاویہ نے ان دونوں چیزوں کو دمشق کی جامع مسجد میں سرِ منبر لٹکا دیا۔

قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ

بیعتِ عامہ کے بعد حضرت علیؓ کے سامنے سب سے اہم کام قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینا تھا۔ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کی خبر اب چاروں طرف پھیل چکی تھی اور ہر طرف سے آپ کے قاتلوں کو قرارِ واقعی سزا دینے کا شور اُٹھ رہا تھا۔ اس سلسلہ میں صحابہ کی ایک جماعت جس میں طلحہ اور زبیر بھی تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ شریعت کے قوانین کو سختی سے نافذ

کرائے۔ لہٰذا جو لوگ حضرتِ عثمانؓ کے قتل میں شریک ہوئے ہیں ان سے قصاص لیا جائے (یعنی ان کا جرم ثابت ہونے پر ان کو قتل کیا جائے) حضرتِ علیؓ کی مجبوری یہ تھی کہ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے وقت ان کی بیوی نائلہ کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا اور وہ محمدؐ بن ابو بکرؓ کے علاوہ اور کسی کو پہچانتی نہ تھیں۔ لیکن محمدؐ بن ابو بکرؓ نے حضرتِ عثمانؓ کے قتل میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ اس لئے آپ کے حقیقی قاتلوں کی شناخت بہت مشکل ہو گئی تھی۔ دوسرے اگر حضرتِ عثمانؓ کا قاتل ایک آدھ شخص ہوتا تو اس کو سزا دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن آپ کے قتل میں تو تمام باغی برابر کے شریک تھے اور اس وقت حالت یہ تھی کہ یہ لوگ مدینہ پر چھائے ہوئے تھے اور ان سے کسی قسم کی باز پُرس ناممکن تھی تیسرے حضرتِ علیؓ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر اس وقت ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائی گئی تو تمام ملک میں شورش پھیل جائے گی۔ کیونکہ ان لوگوں کی پشت پر بصرہ، کوفہ اور مصر کے بہت سے لوگ تھے، ان حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے حضرتِ علیؓ نے اس وفد کو جواب دیا کہ میں اپنے فرض سے غافل نہیں۔ لیکن فی الحال میں اس کی بجا آوری سے قاصر ہوں۔ یہ لوگ ابھی میرے قابو میں نہیں ہیں۔ جب حالات سازگار ہوں گے تو میں اپنے فرض کو ضرور سرانجام دُوں گا۔ اس جواب سے بعض لوگ تو مطمئن ہو گئے لیکن بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ اس ناگوار فرض سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور قاتلینِ عثمانؓ کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

حضرتِ عثمانؓ کے مقرّر کردہ گورنروں کی معزولی

حضرت علیؓ گو حضرتِ عثمانؓ کی مجلسِ شوریٰ کے معزّز ترین رُکن تھے

www.pdfbooksfree.pk

لیکن آپ کو حضرتِ عثمان رضؓ کی پالیسی اور طریق کار سے اختلاف رہتا تھا۔ اور آپ خصوصاً ان کے مقرر کردہ گورنروں کو ناپسند کرتے تھے۔ اس لئے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمان رضؓ کے مقرر کردہ عاملوں کو برطرف کردیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے، (جو حضرتِ عمر رضؓ کے زمانے سے عرب کے مشہور سیاست دانوں میں گنے جاتے تھے) آپ کو مشورہ دیا کہ ابھی عثمانی عمال اور حکام کو معزول کرنا مناسب نہیں۔ ابھی آپ ان سے صرف بیعت کا مطالبہ کیجئے۔ جب آپ کی حکومت پوری طرح مان لی جائے تو آپ انہیں معزول کرسکتے ہیں اسی طرح آپ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس نے بھی آپ کو سمجھایا کہ اور نہیں تو معاویہ کو معزول نہ کیجئے۔ اگر ان کو شام کی گورنری میں بحال رکھا گیا تو انہیں اس بات کی پرواہ نہ ہوگی کہ خلیفہ کون ہے؟ ویسے بھی انہیں حضرتِ عثمان رضؓ نے نہیں، بلکہ حضرتِ عمر رضؓ نے مقرر کیا تھا۔ اگر وہ معزول کردئے گئے تو وہ حضرتِ عثمان رضؓ کے قصاص کا بہانہ بنا کر سارے شام کو آپ کے خلاف کردیں گے۔ یاد رہے کہ امیر معاویہ گزشتہ بیس برس سے شام و فلسطین کے گورنر چلے آرہے تھے اور اُن کا ان علاقوں میں بہت اثر و رسوخ تھا۔ ویسے بھی وہ حضرتِ عثمان رضؓ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور آپ کے قتلِ ناحق کے قصاص کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب قرار دئے جاسکتے تھے۔ حضرتِ علی رضؓ نے بڑی سختی سے ان ہر دو حضرات کے مشورہ کو رَدّ کر دیا۔ غالباً ان کا خیال یہ تھا کہ اگر تمام گورنروں کو ایک ساتھ بدل دیا جائے تو کسی کو شکایت کا موقعہ نہ رہے گا۔ نیز حضرتِ علی رضؓ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ ایک ہی شخص کا اتنے عرصہ کے لئے ایک ہی عہدہ پر کام کرنا خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے ان کو جتنی جلدی

بدلا جائے، بہتر ہے۔ بہرحال کچھ ایسے ہی اسباب کی بنا پر آپ نے تمام عثمانی حکام کو بدلنے کا فیصلہ کرلیا اور نئے گورنروں کی تقرّری کے احکام جاری ہوگئے۔ آپ کے مقرر کردہ بصرہ اور مصر کے گورنروں نے تو اپنے صوبائی مرکزوں میں پہنچ کر بآسانی اپنے عہدے سنبھال لئے مگر کوفہ اور شام کے گورنروں نے آپ کا حکم ماننے سے انکار کردیا۔ کوفہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لکھ بھیجا کہ آپ میری طرف سے مطمئن رہیئے۔ شام کے گورنر امیر معاویہ نے حضرتِ علی رضؓ کے خط کے جواب میں ایک خط بھیجا جس پہ صرف:-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لکھا ہوا تھا، اور باقی خط خالی تھا۔ لفافہ پر لکھا تھا:

"معاویہ رضؓ کی طرف سے علی رضؓ کے نام

چونکہ حضرتِ علی رضؓ کو امیر المؤمنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا گیا تھا، اس لئے اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ آپ کو خلیفہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب قاصد سے پوچھا گیا کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ شام میں ساٹھ ہزار آدمی حضرتِ عثمان رضؓ کا ماتم کررہے ہیں اور وہ آپ کو ان کے قتل کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک عثمان رضؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ حضرتِ علی رضؓ اسے خاموشی سے برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ یہ ایک شخصِ واحد کا انکار نہیں بلکہ پورے صوبے باغی ہونے کا اعلان تھا اس لئے حضرتِ علی رضؓ نے معاویہ کو کچلنے کی تیاریاں شروع کردیں لیکن وہ ابھی اس میں مصروف ہی تھے کہ ایک اور طرف سے اس سے بھی زیادہ خطرناک صورتِ حال پیدا ہوگئی

www.pdfbooksfree.pk

قصاص کا پہلا محاذ۔ حضرت عائشہؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کا اتحاد

چونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی شمشیریں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہو رہی تھیں۔ اس لئے بہت سے صحابہ اس بارے میں متذبذب تھے۔ ان میں کچھ تو ایسے تھے جو ایک طرف معاویہ اور دوسری طرف حضرت علیؓ کے رویّہ سے بھی مطمئن نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرتِ علیؓ کو پہلے عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینی چاہیئے۔ اور اس کے بعد معاویہ سے نپٹنا چاہیئے، ممکن ہے کہ معاویہ اس کے بعد خود بخود ہی مطیع ہو جائیں اور مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خون سے رنگین نہ ہوں۔ مگر حضرتِ علیؓ اپنی مجبوری ظاہر کرتے تھے اس لئے حضرتِ طلحہؓ، زبیرؓ اور دوسرے چند صحابہؓ مدینہ چھوڑ کر مکّہ چلے آئے۔ وہاں حضرتِ عائشہؓ پہلے ہی سے موجود تھیں۔ جب باغیوں نے حضرتِ عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا وہ حج کے لئے مکّہ آئی ہوئی تھیں۔ اب وہ مدینہ واپس جا رہی تھیں کہ راستہ میں انہیں حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ کو حضرتِ عثمانؓ کی بہت سی باتوں سے اختلاف تھا مگر وہ یہ نہ برداشت کر سکیں کہ کوئی شخص ان کی توہین کرے یا انہیں شہید کر دے۔ اور اسے سزا تک نہ ملے۔ آپ یہ خبر سُن کر فوراً واپس مکّہ لوٹ آئیں اور وہیں حضرتِ طلحہؓ اور زبیرؓ بھی ان سے آ کر ملے انہوں نے بیان کیا کہ مدینہ کی حالت خطرناک ہے اور لوگ حیران ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں، ان تینوں نے یہ طے کیا کہ اگر حضرتِ علیؓ باغیوں کو سزا دینے سے معذور ہیں یا کسی وجہ سے گریز کر

رہے ہیں تو یہ کام انہیں خود سر انجام دینا چاہیئے۔ یہ دیکھ کر بہت سے مسلمان ان تینوں کے ساتھ ہو گئے۔ آخر یہ طے ہوا کہ بصرہ چل کر حضرتِ عثمانؓ کے قصاص کے مطالبے کا اعلان کیا جائے۔ کیونکہ وہاں حضرتِ طلحہؓ کے بہت سے حامی تھے۔

بصرہ پر اتحادیوں کا قبضہ

جب یہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچا تو ابن حنیف نے جو حضرتِ علیؓ کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا، مقابلہ کی ٹھانی۔ اتحادیوں کا مطالبہ تھا کہ حضرتِ عثمانؓ کے قاتلوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔ ابن حنیف کہتا تھا کہ نہیں تمہاری نیّت کچھ اور ہے تم دونوں نے تو حضرتِ علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اب اس عہد کو کیوں توڑتے ہو۔ طلحہ اور زبیر کا جواب تھا کہ ہم سے بنوکِ خنجر بیعت لی گئی تھی۔ الغرض اسی ردّ و کد میں لڑائی شروع ہو گئی۔ لیکن دوسرے دن دونوں پارٹیوں میں اس بات پر سمجھوتہ ہو گیا کہ اگر واقعی بیعت کے معاملہ میں ان بزرگوں پر سختی کی گئی تھی تو وہ بصرہ کو اتحادیوں کے حوالے کر دیں گے۔ اس سمجھوتہ کے بعد دونوں پارٹیوں کی طرف سے ایک معتبر آدمی مدینہ بھیجا گیا، اس نے مسجدِ نبوی میں پہنچ کر لوگوں سے باوازِ بلند دریافت کیا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے رضامندی سے بیعت کی یا جبراً۔ باقی لوگ تو خاموش رہے مگر اسامہ بن زید نے جواب دیا کہ جبراً۔ جب قاصد واپس بصرہ پہنچا اور کل کیفیّت بیان کی تو اتحادیوں نے ابن حنیف سے بصرہ ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ ادھر ابن حنیف کو حضرتِ علیؓ کا خط آ چکا تھا کہ بیعت کے معاملہ میں کوئی سختی نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے اس نے شہر چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ مگر اتحادیوں نے زبردستی شہر پر قبضہ

www.pdfbooksfree.pk

کر لیا۔ اور جن جن لوگوں پر حضرتِ عثمانؓ کے ہنگامۂ قتل میں شامل ہونے کا شبہ تھا، ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ صرف ایک شخص حرقوص بن زہیر گرفتار نہ ہو سکا۔

جنگِ جمل ۳۶ھ

جب حضرتِ علیؓ کو حضرتِ عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے بصرہ پر قبضہ کرنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے شام پر خروج کشی کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے عراق کا عزم کر لیا اور اہلِ مدینہ کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ مگر اکثر اہلِ مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے۔ ان کے لئے یہ بہت سخت انتخاب تھا۔ ایک طرف حضرتِ عائشہ صدیقہؓ تو دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت علیؓ کے لئے بھی یہ مسئلہ بہت ٹیڑھا تھا۔ اگر خاموش رہتے تھے تو نظامِ حکومت پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرتِ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کا یہ اقدام نیک نیتی پر مبنی ہے۔ لیکن وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ بعض ایسے لوگ بھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جن کا مقصد محض فساد پھیلانا تھا۔

جب حضرتِ علیؓ مدینہ سے نکلے تو اس وقت تک اتحادیوں کا بصرہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ اس لئے حضرتِ علیؓ نے بجائے بصرہ کے کوفہ کا رُخ کیا۔ کیونکہ ان کو وہاں کافی امداد ملنے کی امید تھی اسی امید پر انہوں نے اپنے بڑے لڑکے حضرتِ حسنؓ اور ایک معزز صحابی عمار بن یاسر کو پہلے کوفہ بھیج دیا۔ تاکہ وہ وہاں سے امدادی لشکر لے کر آئیں۔ کوفہ کے گورنر حضرتِ ابوموسیٰ اشعری گو حضرتِ علیؓ کی اطاعت اختیار کر چکے تھے مگر وہ اتحادیوں کے مطالبۂ قصاص سے بھی متفق تھے۔ جب امام حسنؓ کوفہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ حضرتِ ابوموسیٰ اشعری اپنی تقریروں کے ذریعہ سے اہلِ کوفہ

کو کسی فریق کی حمایت نہ کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اہلِ کوفہ کو اکٹھا کر کے ایک پُرجوش تقریر کی اور تقریباً دس ہزار کوفیوں کو حضرتِ علیؓ کی حمایت پر آمادہ کر لیا۔ بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرتِ علیؓ نے مصالحت کی کوشش کی تاکہ آپس کے اختلافات بغیر جنگ و جدل کے مِٹ جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے کوفہ کے ایک رئیس قعقاع بن عمرو کو اتحادیوں کے پاس بھیجا۔ اس نے آکر دریافت کیا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ "اصلاح"۔ قعقاع نے پوچھا کہ "اصلاح سے آپ کی کیا مراد ہے؟" انہوں نے کہا کہ "خلیفۂ شہید کا قصاص، کیونکہ قصاص نہ لینا قرآن پاک کو پسِ پشت ڈالنا ہے"۔ قعقاع نے کہا کہ "یہ بات صحیح ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ نے مفسدینِ بصرہ سے قصاص لیا۔ مگر آپ بھی ایک شخص (حرقوص بن زہیر، حضرتِ عثمانؓ کا ایک مبیّنہ قاتل) کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ گویا آپ نے حالات سے مجبور ہو کر کم از کم ایک شخص سے قصاص لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اگر حضرتِ علیؓ نے ایسا کیا تو آپ ان کو کیوں موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ اصلاح کی صورت صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ آپ لوگ امیر المؤمنین کی اطاعت قبول کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کریں۔ جب امن و امان قائم ہو جائے تو خلیفۂ شہید کے قاتلوں سے قصاص بھی لیا جا سکتا ہے۔ ورنہ باہمی جنگ و جدل کی صورت میں یہ لوگ صاف بچ جائیں گے۔"

قعقاع کی اس تقریر سے حضرتِ عائشہ اور ان کے ساتھیوں پر بہت اچھا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی تجویز نہایت معقول ہے۔ اگر واقعی حضرتِ علیؓ، حضرتِ عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص

www.pdfbooksfree.pk

لینا چاہتے ہیں تو پھر مصالحت بہت آسان ہے۔ حضرت علیؓ بھی قعقاع کی کامیابی کا حال سنکر بہت خوش ہوئے اور بصرہ کی طرف روانگی کا حکم دے دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ جو لوگ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت میں کسی قسم کا حصّہ لے چکے ہیں وہ ہمارے ساتھ نہ چلیں۔ یہ حال دیکھ کر وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا بہت مضطرب ہوئے۔ اب اُنہیں اپنی خیر نظر نہیں آتی تھی۔ ان لوگوں نے رات کے وقت ایک خفیہ جلسہ کرکے طے کیا کہ فریقین میں صلح نہ ہونے دی جائے۔ تجویز یہ ٹھہری کہ صبح ہونے سے پیشتر دونوں لشکروں پر یک دم حملہ بول دیا جائے۔ تاکہ علوی فوج یہ سمجھے کہ اتحادیوں نے یہ بدعہدی کی ہے اور اتحادی یہ سمجھیں کہ حضرت علیؓ اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہیں چنانچہ اس تجویز کے ماتحت مفسدین نے اس وقت جب لشکر میٹھی نیند سو رہے تھے۔ دونوں لشکروں پر بیک وقت دھاوا بول دیا۔ اس غیر متوقع حملہ نے فریقین کو سراسیمہ کر دیا۔ کِسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ اصل ماجرا کیا ہے۔ اِدھر سے حضرتِ علیؓ نے اور اُدھر سے حضرت عائشہؓ نے اپنے اپنے سپاہیوں کو روکنے کی کوشش کی مگر اس ہنگامے میں کون کسی کی سُنتا تھا ہر فریق یہی سمجھتا تھا کہ دوسرے نے بدعہدی کرکے شب خون مارا ہے۔ الغرض صبح ہوتے ہوتے دونوں لشکر آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اور بڑی خوں ریز جنگ شروع ہو گئی۔ حضرتِ عائشہ رضؓ اونٹ پر سوار ہو کر خود میدانِ جنگ میں پہنچیں تاکہ فریقین کو جنگ سے باز رکھا جا سکے۔ لیکن آپ کو دیکھ کر آپ کے سپاہیوں نے اور زیادہ جوش سے لڑنا شروع کر دیا اور آپ کو خطرے میں دیکھ کر آپ کے اونٹ کو گھیرے میں لے لیا۔ اسی لئے آپ کے اونٹ

کے گرد بڑی خوں ریز جنگ ہوئی (اسی لئے اسے جنگِ جمل کہا جاتا ہے۔ جمل عربی میں اونٹ کو کہتے ہیں) اس کے ہودج میں اس قدر تیر آ کر لگے کہ دُور سے خارپشت معلوم ہوتا تھا۔ حضرتِ علی رضؓ نے دیکھا کہ جب تک حضرتِ عائشہؓ کا اونٹ اپنی جگہ پر قائم ہے، جنگ کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کرکے اُسے گرا دیا جائے۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ اونٹ کا گرنا تھا کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ اونٹ کے گرتے ہی اتحادیوں کا لشکر منتشر ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے اور نہ ہی مالِ غنیمت لوٹا جائے اور حضرتِ عائشہ رضؓ کو بڑی حفاظت کے ساتھ ہودج سے نکال کر بصرہ پہنچایا گیا۔ اس کے بعد حضرتِ علیؓ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں نے پُرانی رنجشیں بھلا دیں اور ایک دوسرے کے متعلق نیک خیالات کا اظہار کیا۔ اس لڑائی میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مارے گئے۔ فریقین کے مجموعی نقصانِ جان کا اندازہ دس ہزار تھا۔ یہ پہلی لڑائی تھی جس میں مسلمان ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے۔

جنگِ جمل کے نتائج۔ مرکزِ خلافت کی مدینہ سے کوفہ میں تبدیلی

جنگ جمل کے بعد حضرتِ علیؓ کے خلاف ایک محاذ ختم ہو گیا حضرتِ عائشہ بحفاظت تمام مدینہ پہنچا دی گئیں اور اس کے بعد وہ عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئیں۔ حضرتِ طلحہؓ مع اپنے صاحبزادے محمدؒ کے اس جنگ میں کام آئے۔ حضرتِ زبیرؓ لڑائی سے پہلے ہی کنارہ کش ہو گئے

www.pdfbooksfree.pk

تھے لیکن مدینہ واپس آتے ہوئے راستہ میں شہید کر دئے گئے۔ اب بصرہ پر حضرتِ علیؓ کا پھر تسلط ہو گیا۔ وہاں کا انتظام مکمل کرنے کے بعد آپ کوفہ تشریف لے گئے۔ جنگِ جمل سے پہلے اور اس کے دوران میں حضرتِ ابوموسیٰ اشعری کوفہ کے گورنر تھے مگر حضرتِ علیؓ کے نزدیک ان کی وفاداری مشتبہ تھی۔ اس لئے حضرتِ علیؓ نے اس جگہ کا انتظام خود سنبھال لیا اور اسے مرکزِ خلافت قرار دیا۔ گو اسلامی تاریخیں اس تبدیلی کے بارے میں خاموش ہیں۔ لیکن اس کے بہت سے وجوہ ہو سکتے ہیں:-

۱۔ جنگِ جمل کے بعد عراق حضرتِ علیؓ کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ وہاں آپ کے حامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مدینہ میں آپ کو سیاسی مخالفت کا زیادہ اندیشہ تھا۔ کیونکہ اکثر صحابہ آپ کے طریقِ کار سے متفق نہ تھے۔

۲۔ عراق میں عموماً اور کوفہ اور بصرہ میں خصوصاً خالص عرب آباد تھے۔ اور ان میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں ایران کی جنگوں میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ حضرتِ علیؓ ان لوگوں کی جنگی قابلیت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

۳۔ حضرتِ علیؓ کی نظر میں کوفہ کی اہمیت اس وجہ سے بھی زیادہ تھی کہ وہ جغرافیائی لحاظ سے زیادہ مرکزی محلِ وقوع رکھتا تھا اور آپ کی وسیع سلطنت کا مرکز ہونے کے لئے مدینہ سے زیادہ موزوں تھا۔

کوفہ میں اتنے فوائد کے ہوتے ہوئے بعض خرابیاں بھی

تھیں جو بعد میں حضرتِ علیؓ کے لئے مضر ثابت ہوئیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ کوفہ کی آبادی زیادہ تر بدوی اقوام پر مشتمل تھی۔ جنہیں حکومت کے نظم و ضبط سے ایک قسم کی نفرت تھی اور وہ اپنی روایتی آزادی کو ہر حالت میں برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ گو اسلام نے انہیں قانون اور مرکزی حکومت کا تابع بنا دیا تھا۔ مگر اب جب کہ خود اسلامی مرکزی حکومت آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے کمزور پڑ چکی تھی یہ لوگ اور بھی آزادہ رو ہو گئے تھے اور حضرتِ علیؓ کے لئے ان لوگوں کو قابو میں رکھنا ایک دشوار مسئلہ بن گیا تھا۔

۲۔ دوسرے یہاں کے باشندے بہت زیادہ متلون مزاج اور ناقابلِ اعتبار تھے۔ بارہا انہوں نے حضرت علیؓ اور بعد میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو دھوکا دیا۔

۳۔ تیسرے اسلام کا صحیح سرچشمہ اور منبع مکہ اور مدینہ تھے حضرتِ علیؓ اس تبدیلی سے مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے۔ اور یہ ان کے لئے چنداں مفید ثابت نہ ہوا۔

اس تبدیلی کے بعد مدینہ کی سیاسی اہمیت جاتی رہی لیکن ایک لحاظ سے یہ تبدیلی اس کے لئے زیادہ خوشگوار ثابت ہوئی اور وہ یہ کہ مدینہ اب اسلامی دنیا کے سیاسی انقلابات اور اس کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا اگر مدینہ خلافت کا مرکز رہتا تو ممکن ہے یہ مقدس شہر کسی نہ کسی سیاسی انقلاب کی لپیٹ میں آ جاتا۔ اور اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو بغداد وغیرہ کا ہوا۔ اب یہ سیاسی مرکز کی بجائے اسلام کا مذہبی مرکز رہ گیا اور یہیں حدیث، فقہ اور دیگر مذہبی علوم نے سب سے پہلے ترقی کی۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۸

جنگِ صفین ۳۷ھ

امیرِ معاویہ کی پوزیشن

حضرت علیؓ اور معاویہ کے تعلقات شروع ہی سے کشیدہ نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے اس کی تہہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کی پرانی رقابت کار فرما ہو۔ لیکن اس بات کی حضرتِ علیؓ سے کم توقع کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ تو سراپا اسلامی اخلاق کا مجسمہ تھے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ عثمانی حکام کو عموماً اور امیر معاویہ کو خصوصاً ناپسند فرماتے تھے۔ ادھر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کا مطالبۂ قصاص خلوص پر مبنی نہ تھا۔ گو اوّل اوّل وہ خلیفہ بننے کے متمنی نہ تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے حضرتِ عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کے بارے میں حضرتِ علیؓ کی صحیح پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور حضرتِ علیؓ کو بھی اس مذموم فعل میں شریکِ جرم سمجھ لیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرتِ عثمانؓ کا قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کے قصاص کا مطالبہ بزور منوائیں۔ حضرتِ علیؓ کو وہ مفسدین کی لیغت پناہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ آپ نے ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی اور آپ کی فوج میں ان مفسدین کا ایک زبردست عنصر موجود تھا۔ الغرض دونوں طرف کچھ ایسے حالات

پیدا ہو گئے تھے کہ ان دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا اور نوبت تلوار تک پہنچی۔

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امیر معاویہ نے حضرتِ علیؓ کی خلافت تسلیم نہ کی تھی۔ حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لئے تیاریاں کر رہے تھے کہ درمیان میں جنگِ جمل پیش آ گئی اور آپ معاویہ کی طرف توجہ نہ کر سکے اب جب عراق پر آپ کا تسلط ہو گیا تو آپ نے شام کے معاملات کی طرف توجہ کی۔ اس دوران میں امیر معاویہ نے اپنی پوزیشن کافی مضبوط کر لی تھی۔ وہ گزشتہ بیس بائیس برس سے شام کے گورنر چلے آ رہے تھے اور اس طویل دورِ حکومت نے ان کی جڑوں کو یہاں کافی مضبوط کر دیا تھا۔ شام اسلامی افواج کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں اسلامی مملکت کی سب سے زیادہ منظم اور فنونِ جنگ کی ماہر فوج موجود تھی جو بارہا عظیم الشان رومی سلطنت کے خلاف اپنی تلواروں کے جوہر دکھا چکی تھی۔ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کے بڑے بڑے افراد آپ کے پاس آ کر اکٹھے ہو گئے تھے۔ آپ نے اپنے حسنِ تدبر، اپنی سیاست اور اپنی شاندار فتوحات کی وجہ سے تمام اہلِ شام کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ شام کے باشندے اہلِ کوفہ اور بصرہ کی طرح جاہل بدو نہیں تھے بلکہ ایک مرکزی حکومت کے عادی اور بدوؤں کی نسبت زیادہ وفا شعار تھے۔ نیز معاویہ نے اپنے حسنِ تدبر سے عمرو ابن العاص فاتح مصر کو جو اپنی ذہانت اور سیاسی سوجھ بوجھ کے لئے تمام عرب میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے، اپنا طرف دار بنا لیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ جامع دمشق میں حضرتِ عثمانؓ کی خون آلود قبا

www.pdfbooksfree.pk

اور آپ کی بیوی کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش برابر جاری تھی۔ انہیں دیکھ کر اہلِ شام اور زیادہ بر انگیختہ ہوتے تھے اور حضرتِ عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کی قسم کھاتے تھے۔

جنگِ صفین کی تمہید، مصالحت کی کوششیں

جب حضرت علیؓ عراق پر تسلط جما چکے تو آپ نے معاویہ کی طرف توجہ کی۔ کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے آپ نے ضروری سمجھا کہ معاویہ کو ایک بار پھر بیعت کی دعوت دی جائے۔ اس مقصد کے لئے آپ نے ایک قاصد دمشق روانہ کیا۔ معاویہ نے کچھ عرصہ کے لئے اس قاصد کو دمشق روک لیا تاکہ وہ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے بارے میں لوگوں کے جذبات سے واقف ہو جائے۔ واپس جاکر قاصد نے بیان کیا کہ سارا شام معاویہ کے ساتھ ہے۔ وہ لوگ حضرتِ عثمانؓ کی خون آلود قبا کو دیکھ کر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؓ بھی ان کے قتل کا ذمہ دار ہے۔ اور اس نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ معاویہ کا یہ مطالبہ ہے کہ پہلے قاتلین عثمانؓ کو سزا دی جائے۔ پھر سب مسلمان جمع ہو کر اپنی مرضی سے نئے خلیفہ کا انتخاب کرلیں گے۔ حضرت علیؓ نے جب یہ جواب سُنا تو اب پوری طرح معاویہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آخر آپ کوفہ سے ساٹھ ہزار فوج لے کر نکلے اور دریائے فرات کو عبور کر کے میدانِ صفین میں ڈیرے ڈال دئے۔ یہ مقام حمص کے شمال مشرق اور حلب کے جنوب مشرق میں دریائے فرات کے کنارے واقع تھا (مسعود ۲۵۹)

جب معاویہ کو حضرت علیؓ کی کوفہ سے روانگی کی اطلاع ملی تو وہ

بھی اپنا لشکر لے کر اسی میدان میں آ پہنچے اور اس طرح دونوں حریف ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئے۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ یہ معاملہ کسی طرح بات چیت سے طے ہو جائے۔ ادھر معاویہ کو بھی معلوم تھا کہ حضرتِ علیؓ کے مقابلہ میں ان کی پوزیشن اتنی مضبوط نہیں۔ اس لئے وہ بھی مصالحت کی طرف مائل تھے۔ دو تین دن کی خاموشی کے بعد حضرت علیؓ نے تین آدمیوں پر مشتمل ایک وفد معاویہ کے پاس بھیجا اور ملّتِ اسلامیہ کی بہتری کی خاطر اسے پھر بیعت کی دعوت دی۔ معاویہ نے پھر قصاص کا مطالبہ دہرایا۔ اس پر وفد کے ایک رُکن نے کہا کہ تمہارا قصاص کا مطالبہ صرف ایک بہانہ ہے تم خود خلافت کے دعویدار بننا چاہتے ہو۔ اسی لئے تم نے حضرتِ عثمانؓ کی مدد کرنے میں دیر کی۔ معاویہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اور ان کی طرف سے بھی بہت سخت جواب دیا گیا اور اس طرح یہ وفد ناکام ہو کر واپس آگیا۔

اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ حضرت علیؓ سب سے پہلے بیعت کا مطالبہ کرتے تھے اور قصاص کو ثانوی حیثیت رکھتے تھے معاویہ سب سے پہلے قصاص چاہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود طرفین میں لڑائی کے لئے پورا جوش و خروش نہ تھا وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ باہمی جنگ و جدل سے ملّتِ اسلامیہ کی قوّت فنا ہو جائے گی۔ اس لئے فریقین میں سے کبھی کبھار ایک آدھ دستہ نکل کر جنگ آزمائی کر لیتا تھا۔

اسی دوران میں محرّم کا مہینہ آگیا اور فریقین نے ایک مہینہ کے لئے عارضی صلح کر لی۔ اس وقفہ میں اب پھر مصالحت کے لئے کوششیں شروع ہو گئیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے دو بارہ

www.pdfbooksfree.pk

ایک وفد معاویہ کے پاس آیا۔ وفد کے قائد نے معاویہ سے کہا کہ باقی تمام امت نے حضرت علیؓ کو ان کی فضیلت کی وجہ سے بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ صرف ایک تم باقی رہ گئے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم بھی بیعت کر لو ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو "جمل" والوں کا ہوا۔ اس پر معاویہ کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا کہ تم مجھے ڈرانے دھمکانے کے لئے آئے ہو۔ میں حرب کا بیٹا ہوں۔ جنگ سے نہیں ڈرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے، لہٰذا تم سے بھی ان کا قصاص لیا جائے گا۔ دوسرے اراکین وفد نے معاملہ بگڑتے دیکھا تو انہوں نے بیچ بچاؤ کیا اور کہا ان باتوں کو چھوڑیے اور کوئی مصالحت کی راہ پیدا کیجئے۔ معاویہ نے کہا کہ مصالحت کی صرف یہی صورت ہے کہ قاتلینِ عثمانؓ ہمارے حوالے کئے جائیں۔ اس طرح مصالحت کی یہ دوسری کوشش بھی ناکام رہی۔ بلکہ اس سے تلخی اور بڑھ گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد معاویہ نے ایک وفد اپنی طرف سے حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ امیر معاویہ نے آپ سے مطالبہ کیا کہ یا آپ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ یا پھر آپ خلافت سے الگ ہو جائیں تاکہ مسلمان دوسرا خلیفہ چُن لیں۔ اس پر حضرت علیؓ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے ایک طویل تقریر کی اور اس کے خاتمہ پر پھر ان لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ یہ کہہ دیجئے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم تھے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ نہ میں یہ کہوں گا کہ وہ مظلوم تھے اور نہ یہ کہ وہ ظالم تھے۔ اس پر اراکینِ وفد یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ جو شخص حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہم اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

جنگِ صفین ۳۷ھ

اب فریقین میں جنگ ناگزیر تھی۔ جب محرم کا مہینہ گزر چکا تو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے خلاف پھر صف آرا ہو گئیں۔ آٹھ دس دن تک جنگ کی یہ صورت رہی کہ دونوں طرف سے ایک دو دستے نکل کر خفیف سا مقابلہ کرتے اور پھر واپس چلے جاتے۔ دسویں دن حضرت علیؓ نے عام حملے کا حکم دے دیا۔ اس دن دونوں لشکر اپنی پوری طاقت سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ سارا دن گھمسان کی لڑائی ہوتی۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ دوسرے دن پھر بڑی ہولناک لڑائی ہوئی اور جنگ قادسیہ کی طرح رات بھر جاری رہی۔ تمام رات کے شور و غل کی وجہ سے عرب اسے لیلۃ الہریر (شور و غل کی رات) کہتے ہیں۔ اب تک فریقین کا پلہ برابر رہا تھا۔ مگر رات بھر کی لڑائی نے شامی فوج کو کافی نقصان پہنچایا تھا اور ایک مرحلہ پر تو معاویہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر تیار ہو گئے تھے۔ مگر کچھ سوچ کے رُک گئے۔ اب حضرت علیؓ کی فوج کی طرف سے برابر دباؤ بڑھ رہا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر انہوں نے عمرو ابن العاص کو مشورہ کے لئے بلایا۔ انہوں نے کہا کہ قرآنِ پاک کو نیزوں سے باندھ کر بلند کر دو اور کہو کہ ہم اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں۔ شامی فوج نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ جانتے تھے کہ یہ ایک جنگی چال ہے اس لئے انہوں نے حکم دیا کہ لڑائی جاری رکھی جائے۔ دشمن نے دھوکا دینے کے لئے یہ چال چلی ہے۔ مگر ان کی اپنی فوج میں بکثرت ایسے آدمی موجود تھے جو اس مسلسل جنگ سے تنگ آ گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کا یہ حکم ماننے سے انکار

www.pdfbooksfree.pk

کردیا اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جائے اور ہم اس سے انکار کردیں۔ شامیوں کو اسی کتاب کا پابند بنانے کے لئے ہی تو ہم ان سے جنگ کر رہے ہیں۔ جب حضرت علیؓ نے جنگ جاری رکھنے پر زیادہ اصرار کیا تو ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہم آپ کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو عثمانؓ کے ساتھ کیا تھا۔ اس پر آپ کو مجبوراً آپ کو جنگ بند کردینے کا حکم دینا پڑا۔ جنگ صفین میں مرنے والوں کی تعداد نوّے ہزار تھی۔ کہتے ہیں کہ عہد نبویؐ سے لے کر اس وقت تک تمام اسلامی فتوحات میں مسلمانوں کا اس قدر نقصان نہ ہوا تھا جتنا کہ اس جنگ میں اور وہ بھی اپنوں ہی کے ہاتھوں ہوا۔

عہدنامہ تحکیم (حکم یعنی ثالث بنانے کا عہدنامہ) اور ثالثوں کا فیصلہ

جب لڑائی بند ہو گئی تو حضرت علیؓ نے اپنا ایک نمائندہ معاویہ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ قرآنِ پاک کے مطابق فیصلہ کرنے سے اس کی کیا مراد ہے؟ اس نے یہ جواب دیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک ثالث تمہاری طرف سے اور ایک ہماری طرف سے مقرر ہو اور یہ دونوں قرآنِ پاک کی رو سے جو فیصلہ کریں اسے فریقین منظور کرلیں۔ حضرتِ علیؓ کے ساتھیوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ معاویہ نے اپنی طرف سے عمرو ابن العاص کو ثالث مقرر کیا۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے اپنی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نام پیش کیا۔ حضرتِ

علیؓ کو اس سے اختلاف تھا۔ کیونکہ ایک تو ابوموسےٰ اس سے پہلے آپ کی مخالفت کر چکے تھے اور دوسرے حضرتِ علیؓ کو اندیشہ تھا کہ کہیں ابوموسےٰ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے عمرو ابن العاص جیسے شاطر کی باتوں میں نہ آجائیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی طرف سے حضرتِ عبداللہ بن عباس کا نام تجویز کیا۔ مگر خود آپ کے ساتھیوں کو اس سے اس بنا پر اتفاق نہ تھا کہ ثالث کو غیر جانبدار ہونا چاہیئے اور ابنِ عباس آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ جب حضرتِ علیؓ نے دیکھا کہ ان کے اپنے حامیوں میں پھوٹ پڑ رہی ہے تو انہیں مجبوراً حضرتِ ابوموسےٰ کو ثالث بنانا پڑا۔

جب فریقین کی طرف سے ثالثوں کا انتخاب ہو چکا تو ایک عہدنامہ لکھا گیا کہ دونوں ثالث کتاب و سنّت کے مطابق جو فیصلہ کریں گے وہ فریقین کو ماننا پڑے گا۔ جب تک فیصلہ نہ ہو جنگ بند رکھی جائے گی اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ جہاں چاہیں جائیں۔ ثالثوں کو اپنا فیصلہ چھ مہینے تک سنانا ہوگا اور فیصلہ ایسے مقام پر سنایا جائے گا جو شام اور عراق کے درمیان ہوگا۔ فریقین کی طرف سے ثالثوں کو ان کے جان و مال کی حفاظت کا یقین دلایا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ ان کے فیصلہ کو نافذ کرانے میں لوگ ان کی مدد کریں گے۔ اس عہدنامہ پر دونوں فریقوں کی طرف سے متعدد ممتاز اشخاص نے دستخط کئے اور طے پایا کہ دومۃ الجندل کے مقام پر فیصلہ سنایا جائے۔

جب چھ مہینے کی مدت گزر گئی تو عہدنامہ کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو ابن العاص دومۃ الجندل میں جمع ہوئے اور دونوں میں خفیہ کانفرنس ہوئی۔ سب سے پہلے عمرو ابن العاص

www.pdfbooksfree.pk

نے منوا لیا کہ حضرتِ عثمانؓ مظلوم ہونے کی حیثیت سے شہید کئے گئے اور ان کے خون کا بدلہ لینا ضروری ہے اور دوسرے یہ کہ معاویہ چونکہ ان کے قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کے قصاص کا مطالبہ کریں۔ اس کے بعد عمرو ابن العاص نے معاویہ کی خوبیاں گنوائیں اور ابو موسیٰ نے حضرت علیؓ کی۔ مگر دونوں میں سے کسی کے حق میں فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس کے بعد مختلف نام تجویز ہوئے۔ مگر دونوں ثالث کسی ایک نام پر متفق نہ ہو سکے۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرتِ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو ہٹا دیا جائے اور امت کو اختیار دیا جائے کہ جس کو چاہے خلیفہ منتخب کرے۔ اس فیصلہ کے بعد دونوں ثالث باہر آئے۔ جہاں بہت سے ممتاز افراد ان کا فیصلہ سننے کے لئے منتظر تھے۔ پہلے حضرت ابو موسیٰ اٹھے اور انہوں نے اعلان کیا کہ "ہم حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور امت کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جس کو مناسب سمجھے اپنا خلیفہ چن لے"۔ اس کے بعد عمرو ابن العاص اُٹھے اور انہوں نے کہا کہ جہاں تک حضرت علیؓ کی معزولی کا تعلق ہے، میں ابو موسیٰ کے فیصلہ کی تائید کرتا ہوں۔ لیکن معاویہ کو معزول نہیں کرتا ان کو ان کے منصب پر قائم رکھتا ہوں۔ اس اعلان پر معاویہ کے حامی خوشی سے اچھل پڑے لیکن حضرت علیؓ کے حامیوں کو سخت غصہ آیا اور ممکن تھا کہ تلوار چل جاتی، مگر دونوں طرف کے سمجھدار آدمیوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔

ثالثوں کے فیصلہ سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہو سکا اور بات جہاں تھی وہیں رہی۔ مگر اس کے اثرات حضرت علیؓ کے

لئے بہت مضر ثابت ہوئے۔ گو حضرتِ علیؓ نے اس فیصلہ کو خلافِ قرآن قرار دے کر اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اس فیصلہ نے آپ کی پوزیشن کو کافی کمزور کر دیا۔ اس فیصلہ کی رُو سے حضرتِ علیؓ اور معاویہؓ دونوں ایک ہی سطح پر آ گئے اور آپ کا انتخاب از سرِ نو متنازعہ فیہ مسئلہ بن گیا۔ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں جو آپ کی بیعت کی گئی تھی وہ اس فیصلہ کی رو سے باطل قرار پائی اور معاویہ کے ہاتھ میں یہ مضبوط دلیل آ گئی کہ چونکہ آپ خلیفہ نہیں ہیں اور نہ کبھی تھے، اس لئے وہ آپ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور نہیں اور خلافت پر ان کا اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسرے مسلمان کا۔ اسی لئے اس فیصلہ کے بعد شامیوں نے آپ کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا۔ گو انہوں نے خود سنہ ۴۰ھ یعنی حضرتِ علیؓ کی شہادت تک امیر المومنین کا لقب اختیار نہ کیا۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۹

حضرتِ علیؓ کی مشکلات

خوارج کا ظہور اور آپؓ کی شہادت

جنگِ صفین اور فیصلۂ تحکیم نے معاملات کو سلجھانے کی بجائے اُلجھا دیا۔ اب آپ کی پوزیشن کافی کمزور ہوگئی تھی۔ اب تک تو آپ تمام اسلامی دنیا کے واحد خلیفہ مانے جاتے تھے۔ صرف ایک صوبہ کے گورنر (یعنی معاویہ والیٔ شام) نے آپ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ مگر اب آپ کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ اس فیصلہ کے بعد سلطنت کے بعض اہم صوبے آپ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ آپ کے چند رشتہ داروں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے حامیوں کی ایک جماعت نے جو بعد میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئی آپ کے خلاف بغاوت کردی اور بالآخر اسی جماعت کے ایک فرد کے ہاتھوں آپ شہید بھی ہوگئے، ان تمام مشکلات کی تفصیل نیچے دی جاتی ہے۔

مصر پر معاویہ کا تسلّط

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرتِ علیؓ نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی عہدِ عثمانی کے تمام صوبائی گورنروں کو برطرف

کر دیا تھا اور ان کی جگہ نئے گورنر بھیجے گئے تھے۔ مصر میں قیس بن سعد کا تقرر ہوا۔ یہ اسی سعد بن عبادہ کے بیٹے تھے جسے انصار نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد خلیفہ منتخب کرنا چاہا تھا۔ یہ بڑے مدبر اور ہوشمند آدمی تھے۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے مصریوں کی اکثریت کو حضرت علیؓ کی بیعت پر آمادہ کر لیا۔ صرف ایک علاقہ بنام خربتا کے لوگوں نے بیعت نہ کی۔ اہلِ خربتا بڑے جنگجو تھے اور قیس ابھی اتنے طاقتور نہیں تھے کہ ان لوگوں سے بزور بیعت لیں۔ اس لئے انہوں نے اہلِ خربتا کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ امن و امان میں خلل انداز نہ ہوں گے

جب معاویہ حضرتِ علیؓ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے تو انہوں نے عمرو بن العاص کی طرح قیس کو بھی ساتھ ملانا چاہا انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرتِ علیؓ تو عراق کی طرف سے حملہ آور ہوں اور قیس مصر کی طرف سے حملہ کر بیٹھیں۔ اس لئے آپ نے قیس سے خط و کتابت شروع کردی۔ مگر قیس نے اس کا بہت سخت جواب دیا۔ معاویہ نے مشہور کر دیا کہ قیس ہمارے آدمی ہیں اسی لئے انہوں نے اہلِ خربتا کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ ان کی طرف سے ہمیں خیر خواہی کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ آپ نے ایک دن مجمعِ عام میں قیس کا ایک فرضی خط بھی سُنا دیا۔ یہ بات حضرتِ علیؓ تک بھی پہنچی، آپ کو قیس کی وفاداری پر شبہ ہوا اور اسے آزمانے کے لئے آپ نے قیس کو حکم دیا کہ اہلِ خربتا سے بزور بیعت لی جائے۔ قیس نے لکھ بھیجا کہ ان بھڑوں کے چھتہ کو چھیڑنا مناسب نہیں۔ یہ لوگ ابھی تک غیر جانبدار ہیں، ممکن ہے ان کے ساتھ سختی کرنے سے اور لوگ بھی آپ کے مخالف ہو جائیں۔ اس جواب سے حضرت علیؓ کا شبہ مبدل بہ یقین

www.pdfbooksfree.pk

ہوگیا اور آپ نے قیس کو معزول کر کے اس کی جگہ محمدؓ بن ابوبکرؓ کو مصر کا گورنر بنا دیا۔ محمد بن ابوبکرؓ ایک ناتجربہ کار اور جذباتی قسم کے آدمی تھے۔ انہوں نے حکمتِ عملی سے کام لینے کی بجائے اہلِ خربتا پر فوج کشی کر دی۔ اسی دوران میں حضرتِ علیؓ اور معاویہ کے درمیان جنگِ صفین شروع ہوگئی۔ محمدؓ بن ابوبکرؓ اہلِ خربتا کے معاملہ میں ہی اُلجھے رہے اور حضرتِ علیؓ کو کوئی مدد نہ پہنچا سکے۔ ثالثوں کے فیصلہ کے بعد اہلِ خربتا کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے محمد بن ابوبکرؓ کے لشکر کو شکست دے دی۔ اس پر مصر میں عام بغاوت رونما ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے اپنے ایک افسر مالک بن اشترؔ کو مصر کے حالات سنبھالنے کے لئے بھیجا۔ مگر ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ وہ فوت ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ معاویہ کے ایما پر اسے زہر دے دی گئی تھی۔ معاویہ نے ان حالات سے فائدہ اُٹھایا اور عمرو ابن العاص کو مصر پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ محمدؓ بن ابوبکرؓ نے مقابلہ کی کوشش کی، مگر ان کو شکست ہوئی اور وہ بڑی بے رحمی سے قتل کر دئے گئے۔ اس طرح مصر کا سرسبز و شاداب صوبہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

معاویہ کا حجاز اور یمن پر قبضہ

مصر پر قبضہ کرنے کے بعد معاویہ کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اب اس نے دُوسرے صوبوں میں بھی پاؤں پھیلانے شروع کر دئے۔ اس نے ایک شخص کو شورش پھیلانے کے لئے بصرہ بھیجا۔ بصرہ میں جنگِ جمل کے وقت سے حضرتِ علیؓ کے مخالفین کی خاصی تعداد موجود تھی۔ بصرہ کے گورنر حضرت عبداللہ بن عباس وہاں موجود نہ تھے۔ اس لئے ان کے

قائم مقام زیاد کو بصرہ سے بھاگنا پڑا۔ لیکن حضرتِ علیؓ نے بروقت امداد بھیج کر اس صوبہ کو پھر قابو میں کر لیا۔ اس کے بعد معاویہ نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات پر حملے شروع کر دئے۔ ان حملوں سے اسے یہ فائدہ ہوا کہ حضرت علیؓ کے مقبوضات میں عام بدامنی پھیل گئی۔ اس بدامنی سے فائدہ اُٹھا کر معاویہ نے ۴۰ھ میں ایک ظالم افسر بُسر بن ابی طارۃ کو حجاز پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے مدینہ کے گورنر حضرت ابوایوب انصاری تھے۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر حضرت علیؓ کے پاس کوفہ بھاگ گئے۔ بُسر نے اہلِ مدینہ سے معاویہ کے لئے جبراً بیعت لی اور جن لوگوں نے مزاحمت کی ان کے مکانات مسمار کرا دئے۔ اس کے بعد وہ مکہ کی طرف بڑھا۔ اہلِ مکہ نے بھی کوئی مزاحمت نہ کی اور اسلام کا مقدس ترین شہر بآسانی معاویہ کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد بُسر یمن کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہاں کے گورنر عبداللہ بن عباس (حضرت علیؓ کے ایک اور چچازاد بھائی) نے بھاگ کر جان بچائی۔ مگر اُس کے دو کمسن بچے بُسر کے ہاتھ آ گئے۔ اس ظالم نے انہیں قتل کرا دیا جب ان واقعات کی اطلاع حضرت علیؓ کو ہوئی تو آپ نے دو لشکر یمن اور مدینہ کی طرف بھیجے۔ بُسر یہ دیکھ کر شام کی طرف بھاگ گیا اور حجاز اور یمن پھر علیؓ کے تسلّط میں آ گئے۔ مگر ان پے در پے حملوں سے حضرت علیؓ کی حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ اسی دوران میں آپ کو ایک اور بہت بڑے فتنہ سے دو چار ہونا پڑا۔ یہ فتنۂ خوارج تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

فتنہ خوارج

(الف) خوارج کی ابتدا

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جنگِ صفین کے دوران میں جب شامی افواج نے تحکیم کی تجویز پیش کی تو حضرتِ علیؓ اس کے خلاف تھے۔ مگر اپنے ہی آدمیوں کی ضد سے آپ اسے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جب تحکیم کے متعلق عہد نامہ لکھا جا چکا تو بعض آدمیوں نے اعتراض کیا کہ دین کے معاملہ میں خدا کے سوا کسی کو حکم (ثالث) نہیں بنایا جا سکتا۔ آپ نے تحکیم کی تجویز مان کر سخت غلطی کی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اس تجویز کو رد کر دیں، اور معاویہ پر حملہ کر دیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ تم لوگوں کے اصرار پر میں نے اس تجویز کو قبول کیا ہے۔ اب تم ہی اسے رد کرنے کے لئے کہتے ہو۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ بدعہدی ہے۔ الغرض جب حضرت علیؓ میدانِ صفین سے واپس ہوئے تو آپ کی جماعت میں دو پارٹیاں نمودار ہو گئیں۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ حضرت علیؓ نے اچھا کیا۔ دوسرا گروہ تحکیم کے خلاف تھا۔ کوفہ پہنچنے تک دونوں گروہوں میں تکرار بڑھتی گئی۔ جب حضرت علیؓ کوفہ پہنچے تو مؤخر الذکر گروہ کے بارہ ہزار آدمی حضرت علیؓ کی جماعت سے الگ ہو گئے۔ یہ گروہ خوارج کے نام سے مشہور ہو گیا (خوارج جمع خارجی کی بمعنی الگ ہونے والا یا نکل جانے والا) چونکہ یہ لوگ حضرتِ علیؓ کی بیعت کرنے کے بعد ان سے خارج (الگ) ہو گئے۔ اس لئے خارجی کہلائے۔ کوفہ سے نکل کر اس جماعت نے حروراء کو اپنا

صدر مقام بنایا اور اپنا ایک علیحدہ امیر چن لیا۔ جب ثالثوں نے اپنے فیصلہ کا اعلان کیا تو خارجیوں نے حضرتِ علیؓ کی عملی مخالفت شروع کر دی اور ان کی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا۔

(ب) خوارج کے عقائد

خوارج کا کہنا تھا کہ دین کے معاملہ میں کسی انسان کو حکم بنانا ناجائز ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں چوری کی ایک قطعی سزا مقرر کر دی ہے۔ اس سزا کو گھٹانا یا بڑھانا کسی انسان کے اختیار میں نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ خلیفۂ برحق تھے۔ معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرتِ علیؓ کی بیعت نہ کر کے اسلام سے انحراف کیا۔ اس لئے وہ باغی ہیں اور ان کے متعلق خدا کا صرف ایک حکم ہے کہ یا تو وہ اطاعت اختیار کریں یا انہیں قتل کیا جائے۔ اس معاملے کو کسی ثالث کی ضرورت نہیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے صلح کی گفتگو کر کے خدا کے اس حکم کو پسِ پشت ڈال دیا۔ لہٰذا ان کی خلافت بھی ناجائز ہے اور حضرتِ علیؓ اور معاویہ دونوں کے خلاف جنگ جائز ہے۔ بعد میں خوارج نے بعض سیاسی عقائد کا اضافہ کر لیا۔ مثلاً ان کا کہنا تھا کہ تمام مسلمان برابر ہیں۔ اس لئے ان پر کوئی حکم نہیں ہو سکتا۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ لہٰذا کسی خلیفہ یا خلافت کی ضرورت نہیں۔ حکومت کے اختیارات ایک کونسل کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں۔ یہ کونسل لوگوں کی چنی ہوئی ہو اور انہیں کے سامنے جواب دِہ ہو۔

(ج) خوارج کا استیصال

جب ثالثوں کے فیصلہ کا اعلان ہوا تو خوارج نے پھر سر اٹھایا اور کہنے لگے کہ دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ تحکیم کی تجویز کو نہ مانا جائے۔

www.pdfbooksfree.pk

اب جبکہ ثالثوں نے کتاب و سنّت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ آپ وہی بات کہہ رہے ہیں جو ہم نے کہی تھی۔ لہٰذا حضرتِ علیؓ کو چاہیئے کہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں۔ ورنہ ہم ان کے خلاف جنگ کریں گے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خوارج نے عراق کے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور اپنے آپ کو خوب منظم کر لیا۔ اب ان لوگوں نے اپنے عقائد کی زبردستی تبلیغ شروع کر دی۔ جو مسلمان ان کی رائے سے متفق نہ ہوتا تھا اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیتے تھے۔ اس کے برخلاف وہ غیر مسلموں سے نہایت اچھے طریقے سے پیش آتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی حفاظت رسول اللہ نے ہمارے سپرد کی ہے۔ اس لئے اس ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک عیسائی سے چند خارجیوں نے کھجوریں خریدنا چاہیں۔ اس نے کہا "تم مفت لے سکتے ہو"۔ انہوں نے کہا "نہیں ہم قیمت دیئے بغیر ایک کھجور کو بھی ہاتھ نہ لگائیں گے۔ اتفاق سے ایک خارجی نے کھجور کا ایک دانہ منہ میں رکھ لیا۔ دوسروں نے اسی وقت اُس کے مُنہ سے وہ کھجور اگلوا کر چھوڑی۔

ثالثوں کے فیصلہ کے بعد حضرتِ علیؓ دوبارہ شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور اس مقصد کے لئے آپ نے ایک فوج بھی اکٹھی کر لی۔ مگر خوارج کے مظالم کی خبر سُن کر آپ کے ساتھیوں نے آپ سے درخواست کی کہ پہلے اس فتنہ کا سر کچلیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم تو شام کی مہم میں مشغول ہوں اور یہ لوگ ہمارے گھر بار کو تاخت و تاراج کر دیں۔ حضرت علیؓ کو مجبوراً شام کی مہم ملتوی کرنی پڑی۔ اس وقت تمام خوارج نہروان کے مقام پر جمع تھے۔ حضرت علیؓ نے

نے اسی طرف کا رُخ کیا۔ چونکہ آپ خوں ریزی سے بچنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے کہلا بھیجا کہ "جن لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ انہیں ہمارے حوالے کیا جائے۔ ہم اور کسی سے تعرض نہیں کریں گے" خارجیوں نے جواب دیا کہ "ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمہارا قتل بھی جائز سمجھتے ہیں"۔ حضرت علیؓ اب بھی خونریزی نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے حضرتِ ابوایوب انصاریؓ کو ایک سفید جھنڈا دے کر ایک اعلان کرایا کہ جو اس جھنڈے کے نیچے پناہ لے گا یا ان کی جماعت سے الگ ہو جائے گا۔ اس کو معافی دی جائے گی۔ اس پر ایک گروہ خوارج سے علیحدہ ہو گیا اور ایک اور گروہ جھنڈے کے نیچے آ گیا۔ اب بہت تھوڑے خارجی رہ گئے۔ لیکن انہوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور تقریباً سب کے سب لڑتے ہوئے مارے گئے۔ لیکن اس کے باوجود خوارج کا وجود پُوری طرح ختم نہ ہو سکا۔ اور ان میں سے کچھ لوگ بچ کر عراق اور ایران کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔

حضرت علیؓ کی مشکلات میں اضافہ

خوارج کے فتنہ کو دبانے کے بعد حضرت علیؓ نے دوبارہ حملہ کرنے کے لئے اپنی قوّت کو پھر اکٹھا کرنا شروع کیا۔ مگر عراقیوں نے مختلف حیلے بہانے تراشنے شروع کر دیئے ان کے ایک سردار نے کہا کہ ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں۔ ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ساز و سامان کو درست کر لیں۔ مگر حضرت علیؓ نے انہیں کوفہ واپس لوٹنے کی اجازت نہ دی اور یہ لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے شروع ہو گئے حتّٰی کہ آپ کے پاس صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے۔ آپ نے پُر جوش تقریر کی۔

www.pdfbooksfree.pk

سے انہیں پھر گرمانا چاہا مگر ناکام رہے اور آخر مجبور ہو کر آپ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ادھر مصر، حجاز اور یمن ہاتھ سے نکل جانے سے آپ کی پوزیشن اور کمزور ہو گئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ کے حقیقی بھائی عقیل بن ابوطالب اور آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس آپ سے ناراض ہو گئے۔ عبداللہ بن عباس بصرہ کے گورنر تھے۔ ان کے متعلق یہ شکایت کی گئی کہ انہوں نے بیت المال کی کچھ رقم ناجائز خرچ کی ہے۔ حضرت علیؓ نے ان سے بازپرس کی تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ رقم ان کی اپنی تھی۔ اس جواب سے آپ کی تسلی نہ ہوئی، اور آپ نے تحقیقات کا حکم دے دیا۔ اس پر عبداللہ بن عباس ناراض ہو کر مکہ چلے گئے۔ اسی طرح آپ کے بھائی عقیل بھی کسی بات سے ناراض ہو کر آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ اس وقت تک حضرت علیؓ کے تمام بڑے بڑے مددگار یا تو فوت ہو چکے تھے یا معاویہ کی طرف چلے گئے تھے اس لئے آپ کو آخری ایام میں بڑی کٹھن آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ مگر ان تمام مشکلات کے باوجود آپ کی پیشانی پر بل نہ آیا اور آپ نے ان تمام نامساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ایک بار پھر ساٹھ ہزار کا لشکر تیار کر لیا تاکہ معاویہ سے آخری فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ ابھی آپ اس لشکر کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ایک خارجی ابن ملجم نے آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خوارج نے اپنے مذہبی خیالات کے ساتھ ساتھ بعض سیاسی نظریئے بھی اپنے عقائد میں شامل کر لیے

تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اسلام میں کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں ان کے نزدیک تمام فساد، خلافت کے دعویداروں نے پھیلایا ہوا تھا۔ اس لئے ان کا قلع قمع ضروری تھا۔ جنگِ نہروان کے بعد خوارج ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے۔ مگر ان کے مذہبی جنون میں کوئی کمی نہ واقع ہوئی تھی۔ ان میں سے تین خارجی اتفاق سے مکہ میں اکٹھے ہو گئے، اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر حضرتِ علیؓ، معاویہ اور عمرو ابن العاص کو ختم کر دیا جائے تو عالمِ اسلام کا تمام فساد مٹ سکتا ہے۔ عمرو ابن العاص کو ختم کر دیا جائے تو عالمِ اسلام کا تمام فساد مٹ سکتا ہے عمرو ابن العاص کو اس لئے شامل کر لیا گیا تھا کہ ان دونوں کے بعد وہی خلافت کے دعویدار ہو سکتے تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ان تینوں کو بیک وقت ۱۷ رمضان جمعہ کے دن صبح کے وقت شہید کر دیا جائے۔ حضرتِ علیؓ کو قتل کرنے کا کام ابنِ ملجم کے سپرد ہوا۔ مقررہ تاریخ کو ان تینوں پر بیک وقت حملہ ہوا۔ عمرو ابن العاص اتفاق سے اس دن مسجد تشریف نہ لائے، ان کی جگہ ایک اور شخص مارا گیا۔ معاویہ خفیف طور پر زخمی ہوئے، مگر بچ گئے۔ حضرت علیؓ کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہو رہے تھے کہ ابنِ ملجم نے کمین گاہ سے نکل کر حملہ کر دیا۔ اس کا وار بھرپور پڑا۔ اور آپ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان ۴۰ھ انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال کی تھی اور مدتِ خلافت چار سال نو مہینے۔

سیرتِ علیؓ

حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اس لئے آپ کی ذات اخلاقِ نبوی کا مجسمہ اور تعلیماتِ اسلامی کی زندہ تصویر تھی۔ آنحضرتؐ اور حضرتِ

www.pdfbooksfree.pk

ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح آپ کی ذات کا نمایاں جوہر سادگی اور اخلاص تھے۔ آپ پر غربت اور امارت کے مختلف دور گزرے مگر کسی دور میں آپ نے اپنی اس خصوصیت کو نہ چھوڑا۔ کہتے ہیں کہ آں حضرت کی زندگی ہی میں آپ کی آمدنی اتنی ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار درہم سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی۔ مگر اس کے باوجود آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ کئی کئی دن گھر میں چولھا نہ جلتا تھا۔ معمولی گھر کے علاوہ آپ نے کوئی شاندار عمارت نہ بنوائی۔ آپ کے گھر کا ساز و سامان صفر کے برابر تھا۔ اس تنگی اور عسرت کی وجہ یہ تھی کہ آپ حد درجہ فیاض تھے۔ آپ کے در سے کوئی سوالی بغیر کچھ حاصل کئے واپس نہ جاتا تھا۔ بعض اوقات آپ راہِ خدا میں سب کچھ دے دیتے تھے اور خود فاقہ فرماتے تھے۔ تاریخوں میں آپ کی فیاضی کے کئی واقعات مذکور ہیں۔ آپ کی غذا اور لباس نہایت سادہ ہوتے تھے۔

آپ کی سیرت کا ایک اور نمایاں جوہر زہد و ریاضت تھا۔ عبادت اور ریاضت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا۔ آپ کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ بنی ہاشم میں آپ سے بڑھ کر اور کوئی عبادت گزار نہیں۔ حضرت فاطمہؓ سے ایک قولِ منسوب ہے کہ آپ رات کو عبادت میں مسلسل کھڑے رہتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ (تاریخ اسلام۔ معین الدین۔ اوّل ۲۷۷) صوفیۂ کرام کے نزدیک آپ ہی کی ذاتِ گرامی اسلامی تصوف کا سرچشمہ سمجھی جاتی ہے، اور صوفیوں کے تمام بڑے بڑے سلسلے آپ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہوتے ہیں۔

شجاعت اور مردانگی میں آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آپ

فطرتاً سپاہی تھے اور تمام عمر سپاہی ہی رہے۔ آپ نے تمام غزواتِ نبوی میں حصہ لیا اور اپنی تلوار کے بے نظیر جوہر دکھلائے۔ آپ کی شجاعت کے بے شمار واقعات زبان زدِ خاص و عام ہیں خصوصاً خیبر کا دروازہ اکھاڑنے والا واقعہ تو بہت مشہور ہے۔ آپ کے علمی کمالات بھی کچھ کم نہیں۔ آپ جملہ دینی علوم کے ماہر تھے۔ قرآن فہمی۔ فقہ اور حدیث میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ آں حضرتؐ کی یہ حدیث کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے"۔ آپ ہی کی شان میں ہے۔ آپ کا دعویٰ تھا کہ قرآنِ پاک کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے معلوم نہ ہو کہ یہ کب اور کس مقصد کے لئے اتری۔ آپ کی ذہانت کے بے شمار واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں اس کے ساتھ ہی آپ کی طبیعت میں ظرافت بھی بہت تھی۔

آپ فصحائے عرب میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے خطبے، زبان و ادب کے بہترین نمونے گنے جاتے ہیں۔ گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا اتنا رواج نہ تھا۔ مگر آپ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ جو صحابہ آنحضرتؐ کے فرامین لکھتے تھے۔ ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلحنامہ آنحضرتؐ کے حکم سے آپ ہی نے لکھا تھا۔ آپ شعر و سخن کا بھی بہت پاکیزہ مذاق رکھتے تھے حدیثوں میں آپ کے کئی اشعار منقول ہیں۔ عربی گرامر کی ترتیب و تدوین میں بھی آپ کا حصہ ہے۔ (تاریخ اسلام۔ معین الدین، اوّل ۳۷۳)۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۳۰

حضرتِ علیؓ کی خلافت پر ایک نظر

حضرتِ علیؓ کی ناکامی کے اسباب

حضرتِ علیؓ کا پورا عہدِ خلافت خانہ جنگی

اور اندرونی شورشوں میں گزرا۔ آپ کی خلافت ایسے حالات میں شروع ہوئی کہ بہت سے مقتدر صحابہ جن میں حضرتِ عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ جیسے بزرگ شامل تھے، آپ سے برگشتہ ہو گئے۔ معاویہ نے تو آخر دم تک آپ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ شام ہمیشہ آپ کے تسلط سے باہر رہا اس کے علاوہ مصر، حجاز اور یمن بھی آپ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس لحاظ سے آپ کا عہدِ خلافت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں ناکامیوں کا مرقع نظر آتا ہے۔ اس ناکامی کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ حضرتِ علیؓ کو خلیفہ بنانے میں زیادہ تر ان لوگوں کا ہاتھ تھا، جنہوں نے حضرتِ عثمانؓ کو شہید کیا تھا۔ چونکہ آپ قاتلینِ عثمانؓ کو سزا دینے سے قاصر رہے تھے، اس لئے بہت سے لوگ آپ کے مخالف ہو گئے اور عوام کو بھڑکانے کے لئے ان کے ہاتھ میں خونِ عثمانؓ کے قصاص کا بہانہ آ گیا۔

۲۔ حضرتِ علیؓ کے مدِمقابل حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ جیسے بزرگ تھے جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی مانے جاتے تھے۔ حضرت

عائشہ کی مخالفت نے آپ کی پوزیشن کو اور بھی کمزور کر دیا تھا۔ آپ کے ایک اور حریف معاویہ تھے۔ جو اگرچہ علم و فضل اور قرابتِ رسول کے لحاظ سے آپ سے کم تر تھے۔ مگر ان کے پاس حضرتِ عثمانؓ کی قرابت داری اور خونِ عثمانؓ کے قصاص کا حربہ تھا جس کی مدد سے انہوں نے عوام کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا۔

۳۔ مسلمانوں میں عہدِ رسالت اور صدیقی اور فاروقی دور کا سا جذبۂ اطاعت اور وحدتِ ملی کا جوش کم ہو رہا تھا۔ بہت سے مقتدر صحابہ جنہوں نے شجرِ اسلام کو اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا، فوت ہو چکے تھے اور ان کی جگہ ایک نئی پود نے لے لی تھی جو ان جذبات سے عاری تھی۔

۴۔ قاتلینِ عثمان کی مفروضہ پشت پناہی کی بنا پر بہت سے اکابر صحابہ آپ سے الگ ہو گئے تھے اور گو انہوں نے آپ کی مخالفت نہیں کی۔ مگر وہ آپ کے موافق بھی نہیں تھے۔ جو تھوڑے بہت صحابہ آپ کے ساتھ رہ گئے تھے وہ صاحبِ تدبر و سیاست نہ تھے۔

۵۔ آپ کے زمانہ تک بعض ایسے عناصر اسلام میں داخل ہو گئے تھے جن کا مقصد اسلام کو اندر سے تباہ کرنا تھا۔ وہ محبتِ اہلِ بیت کی آڑ میں اپنی قومی تباہی کا بدلہ لینا چاہتے تھے، انہی لوگوں نے حضرتِ عثمانؓ کو شہید کر کے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کیا اور پھر ہر موقع پر مصالحت کی کوششوں کو ناکام بنایا۔

۶۔ حضرت علیؓ کے مقابلہ پر معاویہ اور عمرو ابن العاص جیسے بزرگ تھے جو عیاری اور چالاکی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے

www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنی کامیابی کے لئے ہر جائز و نا جائز وسیلہ اختیار کرتے تھے۔

۷۔ حضرت علیؓ کے حامیوں کی اکثریت اہلِ کوفہ اور بصرہ پر مشتمل تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں اطاعتِ امیر کا جذبہ بالکل مفقود تھا۔ اور جن کی وفاداری یقینی نہیں ہوتی تھی۔ اکثر اوقات وہ عین وقت پر آپ کو دھوکہ دے جاتے تھے۔ جب آپ جنگ نہیں چاہتے تھے وہ جنگ چھیڑ دیتے تھے (جنگِ جمل) اور جب آپ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے (جنگِ صفین) تو وہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔

۸۔ حضرتِ علیؓ کے کردار میں بعض ایسی خصوصیات تھیں جو اگر ایک عام انسان میں ہوں تو اوصافِ حمیدہ گنی جاتی ہیں۔ مگر جن کا وجود ایک حکمران کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ ان میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ آپ کسی معاملہ میں مصلحت کوشی کے سخت خلاف تھے۔ مثلاً جب آپ نے عنانِ خلافت سنبھالی تو مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ فی الفور عثمانی حکام کو معزول نہ کرتے۔ مگر آپ نے اس کے بالکل برعکس کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف ہو گئے۔ اسی طرح محمد بن ابوبکرؓ کے کہنے پر آپ نے قیس بن سعد کو مصر کی گورنری سے ہٹا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر آپ کے ہاتھوں سے نکل گیا آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرتِ عبداللہ بن عباس، (جو آپ کے دستِ راست تھے،) کا سختی سے محاسبہ کرنا چاہا اس پر وہ آپ سے ناراض ہو کر الگ ہو گئے۔ دوسرے

آپ میں خود اعتمادی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ جب آپ کسی معاملہ میں کوئی رائے قائم کر لیتے تھے تو اس کو ٹھیک سمجھتے تھے۔ اور صحابہ سے مشورہ کرنا چنداں ضروری نہ خیال کرتے تھے۔

حضرتِ علیؓ کے نظامِ حکومت کی خصوصیات:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ کے مقابلہ میں حضرتِ علیؓ کا عہدِ حکومت اتنا کامیاب نظر نہیں آتا۔ نہ فتوحات کی وہ ریل پیل، نہ حکومت کا وہ دبدبہ جو عہدِ فاروقی کا خاصہ تھا۔ مگر آپ کی یہ کامیابی کیا کم ہے کہ آپ نے نامساعد حالات میں فاروقی نظام کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ اور اگر آپ کو اندرونی شورشوں سے چند سال مہلت ملتی تو آپ عہدِ فاروقی کی شان و شوکت کو دوبارہ زندہ کر دیتے۔ آپ کے نظامِ حکومت کی مندرجہ ذیل خصوصیات قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ بیت المال کی حفاظت

بیت المال کے نظم و نسق میں آپ نے حضرتِ عمرؓ کی روایات کو زندہ کیا۔ آپ حکام سے حکومت کے محاصل اور اخراجات کے متعلق بڑی سختی سے محاسبہ کرتے تھے اور اس معاملہ میں اپنے عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ سے شکایت کی گئی کہ آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباس نے بیت المال سے دس ہزار کی رقم قرض لی ہے۔ مگر واپس نہیں کی۔ آپ نے انہیں یہ رقم واپس کرنے کو کہا۔ اور جب تک انہوں نے یہ ثابت نہ کیا کہ یہ

www.pdfbooksfree.pk

رقم اُن کی اپنی تھی، آپ نے انہیں نہ چھوڑا۔ بلکہ اس بات پر وہ آپ سے ناراض ہو گئے۔ مگر آپ نے اس کے متعلق پروا نہ کی۔

۲۔ نظامِ حکومت میں اصلاحیں

حضرتِ عثمان کے زمانے میں نوجوان حکام کے تقرر کی وجہ سے نظامِ حکومت میں جو بدعنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ آپ نے ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ مثلاً عمال اپنے آپ کو مرکزی حکومت کی باز پرس سے آزاد سمجھنے لگے تھے۔ آپ نے دوبارہ حکام کا سختی سے محاسبہ لینا شروع کر دیا۔ محکمۂ مال میں بعض مفید اصلاحات کی گئیں۔ جن سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ مثلاً آپ سے پہلے جنگلات کی آمدنی پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاتا تھا۔ آپ نے جنگلات پر محصول عائد کیا (تاریخ اسلام ۔ معین الدین ۔ اول ۳۶۲) ایک اور انتظامی تبدیلی جو آپ کے زمانے میں ہوئی وہ یہ تھی کہ دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کیا گیا۔

۳۔ عمال کی نگرانی

حضرت عمرؓ کی طرح آپ عمال کی بڑی سختی سے نگرانی کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً ان کے اعمال و افعال کا احتساب کرتے رہتے تھے اگر ضرورت پڑتی تھی تو تحریری باز پرس کے علاوہ باقاعدہ کمیشن مقرر کر کے ان کے خلاف شکایات کی تحقیقات کراتے تھے۔

۴۔ ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت

ذمیوں کے متعلق آپ کا رویہ بہت ہمدردانہ تھا۔ آپ ان کے حقوق کا خاص خیال رکھتے تھے ایک دفعہ ذمیوں نے یک عامل کی سخت مزاجی کے خلاف شکایت

کی۔ آپ نے اس پر اسے سخت سرزنش کی۔ ایرانیوں کے ساتھ آپ کا سلوک اس حد تک ہمدردانہ اور عدل و انصاف پر مبنی تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عرب نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔ (تاریخ اسلام۔ معین الدین ۔ اوّل ۳۶۸)

۵۔ عدل و انصاف

حضرت علیؓ عدل و انصاف کے لئے خاص مشہور تھے۔ آپ کے عدل و انصاف اور معاملہ فہمی کی کئی کہانیاں زبان زدِ خاص و عام ہیں کئی دفعہ آپ کو خود کسی مقدمہ میں فریق بن کر حاضر ہونا پڑتا تھا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی زرہ کھو گئی اور وہ کسی یہودی کو ملی۔ آپ نے اسے پہچان لیا اور اس کو حاصل کرنے کے لئے عدالت میں دعویٰ کر دیا۔ قاضی نے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کے مالک ہونے کا کوئی ثبوت ہے؟۔ آپ نے فرمایا: "نہیں۔ قاضی نے آپ کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلہ کا یہودی پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۲۱

بنی امیّہ

خلافتِ راشدہ کے اختتام کے بعد اسلامی سلطنت کی باگ ڈور بنی اُمیّہ کے ہاتھ آئی۔ بنی امیّہ خاندانِ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخوں میں سے ایک تھی۔ اس خاندان کا بانی معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھا۔ عبد مناف پر پہنچ کر بنی امیّہ کا نسب رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ قریش کی دس شاخوں میں فضیلت اور دنیاوی وجاہت صرف بنی ہاشم اور بنی امیہ کو حاصل تھی۔ بنی ہاشم کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے بزرگ و برتر خیال کئے جاتے تھے۔ اور بنی امیہ امارت اور کثرتِ دولت کی وجہ سے ممتاز تھے۔ ابتدا میں قبیلہ قریش کی سپہ سالاری بنی مخزوم کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن عبد شمس کے زمانہ سے یہ منصب بنی امیّہ میں منتقل ہو چکا تھا اور پھر یہ سلسلہ انہی کی نسل میں چلتا رہا۔ زمانۂ جاہلیت کی مشہور لڑائیاں جو قریش اور دوسرے خاندانوں کے درمیان ہوئیں عبد شمس کا پوتا حرب بن امیہ قریش کا سپہ سالار تھا۔ حرب کے بعد قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ حرب کے بیٹے ابو سفیان کے ہاتھ میں آیا اور ظہورِ اسلام سے پہلے یہی سپہ سالار تھے۔

قریش کی دیگر شاخوں کی طرح بنی امیہ بھی تجارت کے بہت دلدادہ تھے۔ مصر و شام میں ان کا وسیع کاروبار تھا۔ جب آنحضرت صلعم نے مصر کے فرمانروا ہرقل کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو ابو سفیان تجارت کی غرض سے مصر میں موجود تھا۔ اور رسول خدا صلعم نے ہرقل کے متعلق معلومات اسی سے فراہم کیں۔ اس وجہ سے بنی امیہ بہت مالدار تھے۔ نیز اس دنیاوی دولت و ثروت کی وجہ سے بنی امیہ اور بنی ہاشم میں معاصرانہ چشمک بھی تھی۔ مگر اس چشمک کے باوجود دونوں خاندانوں میں موانست اور یگانگت موجود تھی۔ رشتہ داریاں اور باہمی مراسم جو زمانۂ جاہلیت میں تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی قائم رہے۔ خود آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرتِ زینبؓ کا عقد ابو العاص بن ربیع اموی سے ہوا تھا۔ حضرتِ عثمانؓ سے آنحضرت صلعم کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں منسوب ہوئیں اور اس کے علاوہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔

رسول پاک صلعم کی وفات کے بعد بھی بنی امیہ اسلامی مملکت میں عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے۔ خلفائے راشدین نے اس خاندان کے ارکین کو بڑے جلیل القدر عہدوں پر فائز کیا۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے شام کی فوج کشی کے وقت اسلامی عساکر کے ایک حصّہ کا ابو سفیان کے بیٹے یزید کو سپہ سالار مقرر کیا۔ دمشق کی فتح کے بعد حضرتِ عمرؓ نے یزید کو یہاں کا گورنر بنایا اور وہ طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا تو یہ عہدہ اس کے بھائی معاویہ کے سپرد کر دیا اور حضرتِ عثمانؓ نے عنانِ خلافت سنبھالنے کے بعد حضرتِ معاویہ کو پورے شام کا گورنر

www.pdfbooksfree.pk

گورنر بنا دیا۔ حضرت معاویہ نے اپنی گورنری کے دوران میں بہت سے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ اور حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے بعد چند سالوں کی اندرونی خانہ جنگی کے بعد حضرتِ معاویہ نے تمام اسلامی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح تقریباً ایک صدی کے لئے دنیائے اسلام کی قسمت کی عنان اپنے خاندان میں منتقل کر دی۔

باب ۳۲

معاویہ

سنہ ۴۱ تا ۵۹ھ مطابق سنہ ۶۶۱ تا ۶۷۹ء

حضرت امیر معاویہ ابو سفیان بن حرب کے بیٹے تھے۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان کے والد بنی قریش کی سپہ سالاری کے عہدہ پر فائز تھے اور مسلمانوں کے خلاف اکثر جنگ آزما رہتے تھے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ کفّار اور مسلمانوں کی ان جنگوں میں حضرتِ امیرِ معاویہ کا تذکرہ نہیں آتا غالباً ابھی وہ کمسن تھے۔ فتح مکّہ کے بعد انہوں نے اپنے والد ابو سفیان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلعم کی زندگی میں امیر معاویہ نے اسلامی جنگوں میں حصّہ نہیں لیا۔ البتہ کچھ عرصہ کاتب وحی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ وہ پڑھے لکھے اور صاحب شعور نوجوان تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اطرافِ ملک سے جو لوگ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے، ان کی مہمان داری بھی آپ کے سپرد کر رکھی تھی۔ حضرت امیر معاویہ کی سیاسی زندگی کا آغاز حضرتِ عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جب ۱۸ ہجری میں انہیں دمشق کا حاکم مقرر کیا گیا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرتِ عثمانؓ نے اپنے عہد میں انہیں سارے شام کا گورنر بنا دیا تھا۔ اپنی گورنری کے عہد میں امیر معاویہ

www.pdfbooksfree.pk

نے شام کی سرحدوں کو مضبوط کیا اور انہیں رومیوں کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ انہوں نے حضرتِ عثمانؓ کی اجازت سے ایک بحری بیڑا تیار کر کے جزیرہ قبرص پر بھی قبضہ کر لیا۔ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے قصاصِ خون کے لئے حضرتِ علی کرم اللہ وجہہٗ سے جنگیں لڑیں اور بالآخر ۴۱ھ میں حضرتِ امام حسنؓ کی دست برداری کے بعد وہ تمام عالمِ اسلام کے خلیفہ ہو گئے۔

خلافت

جب حضرت معاویہ نے عنانِ حکومت سنبھالی تو مسلمان ایک پُر آشوب دَور سے گزر رہے تھے۔ اُنہیں ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی خطرات درپیش تھے آپس کی خانہ جنگی اور باہمی تنازعوں نے ملت میں انتشار پیدا کر دیا تھا۔ اس ابتری کو دیکھ کر بیرونی دشمن بھی تاک لگائے بیٹھے تھے کہ کسی طرح اپنی گزشتہ شکستوں کا بدلہ لیں ایسے حالات میں جس تدبّر اور فراست سے حضرت امیر معاویہ نے دنیائے اسلام کو ابتلا کے دَور سے نجات دی وہ بے مثل ہے جس وقت امیر معاویہ مسندِ اقتدار پر بیٹھے تو اس وقت تین اندرونی طاقتیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھیں۔ (۱) حامیانِ بنی امیہ (۲) شیعیانِ علیؓ۔ (۳) خوارج۔ حامیانِ بنی امیہ قصاصِ حضرتِ عثمان کے طالب تھے، اور حضرت علیؓ کو شہادتِ حضرتِ عثمانؓ کے ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ انہوں نے امیر معاویہ کو حضرتِ عثمانؓ کا جائز جانشین تسلیم کیا۔ اور اُن میں سے اکثر شام کے رہنے والے تھے۔ شیعیانِ علیؓ، یہ صرف اہلِ بیت کو امامت و خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ مگر بحالتِ مجبوری انہوں

نے بالآخر بنی امیّہ کی اطاعت قبول کر لی۔ یہ لوگ زیادہ تر عجم، عراق اور مصر کے رہنے والے تھے۔ تیسرا فرقہ خوارج تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کی اندرونی خانہ جنگی کی پیداوار تھے۔ اور بنی امیّہ اور شیعیانِ علیؓ دونوں کو دین سے خارج خیال کرتے تھے۔ اور واجب القتل سمجھتے تھے۔ خوارج کا گروہ اگرچہ تعداد میں تھوڑا تھا مگر بڑے راسخ العقیدہ لوگ تھے۔ خوف و طمع سے بے پروا۔ یہ لوگ ہر وقت جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مخالفین کا مقابلہ کرتے تھے۔

حضرتِ امیر معاویہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے۔ ان تینوں فرقوں کی مناقشت کو بڑھنے نہ دیا جائے اور ان کی برائیوں کو برداشت کر کے انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ مگر ان کی یہ حکمتِ عملی زیادہ دیر تک نہ چل سکی اور انہیں بارہا ان فرقوں سے خصوصاً شیعیانِ علیؓ اور خارجیوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ شیعیانِ علیؓ تو کچھ عرصہ کے بعد دب گئے مگر خارجیوں کے ساتھ امیر معاویہ کی معرکہ آرائیاں مدّت تک جاری رہیں۔ ۴۱ھ میں خارجی سردار فروہ بن نوفل نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ کوفہ کے قریب شاہی افواج اور باغیوں میں گھمسان کا رَن پڑا۔ جس میں امیر معاویہ کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد اگرچہ خارجیوں کو کئی بار شکستیں بھی ہوئیں۔ ان کے بڑے بڑے حوصلہ مند جرنیل مارے گئے۔ مگر اُن کی جانبازی اور حصولِ مقصد کے ولولہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ خارجیوں کی طاقت کو توڑنے کے لئے بالآخر معاویہ نے آزمودہ کار جرنیل مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا والی مقرر کر کے

www.pdfbooksfree.pk

بھیجا۔ مغیرہ نے اپنے تدبّر و فراست سے ایک سال کے اندر خارجیوں کا زور توڑ دیا۔

حجر بن عدی کا قتل

حجر بن عدی کوفہ کے ایک صحابی تھے اور حضرت علیؓ کے بڑے سرگرم پیروکار تھے۔ جب حضرتِ امام حسنؓ خلافت سے دست بردار ہوئے تو حجر بن عدی کو بڑا صدمہ ہوا۔ مگر کچھ نہ کر سکے۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی نازیبا رسم جاری کی تھی اور تمام صوبوں کے گورنروں کو یہ رسم ادا کرنے کا حکم تھا۔ عمرو بن الحریث کوفہ کے قائم مقام حاکم تھے۔ انہوں نے بھی حضرتِ علیؓ کو بُرا بھلا کہا۔ حجر نے ان پر کنکریاں پھینکیں۔ عمرو نے حجر اور ان کے چند ساتھیوں کو پکڑ کے امیر معاویہ کے پاس پہنچا دیا۔ جہاں امیر معاویہ نے انہیں قتل کروا دیا۔ حجر بن عدی بڑے پارسا اور عبادت گزار صحابی تھے۔ ان کے قتل کا بہت بڑا اثر ہوا۔ اندرونی انقلابات کے علاوہ مقبوضہ علاقوں میں بھی چند بغاوتیں ہوئیں جنہیں فرو کر دیا گیا۔ مثلاً بلخ، ہرات اور بادغیس کے باشندے باغی ہو گئے۔ مگر انہیں جلد ہی دبایا گیا۔

فتوحات

امیر معاویہ ایک تجربہ کار اور بیدار مغز جرنیل تھے۔ اور خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں اپنے کارہائے نمایاں سے اپنی قابلیت کا سکّہ جما چکے تھے۔ سندھ میں مسلمانوں کے قدم خلافتِ راشدہ کے زمانہ ہی میں جم چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں سندھ پر دو مرتبہ حملہ ہوا۔ مہلب ابن ابی صفرہ ان مہمات کے سرپرست تھے اور ایک

دفعہ تو مسلمان فوجیں حملہ کرتی ہوئی ملتان اور لاہور تک پہنچ گئیں۔

ترکستان کی فتوحات

خراسان کا حاکم عبیداللہ بن زیاد تھا اُسے سنہ ۵۴ھ میں مقرر کیا گیا تھا یہ نہایت دلیر اور بلند حوصلہ سپہ سالار تھا۔ اس نے سنجر کے علاقہ پر فوج کشی کر کے بخارا کے کئی علاقوں مثلاً رامنی اور بیکند کو فتح کر لیا۔ سنہ ۵۶ھ میں عبیداللہ بن زیاد کی جگہ حضرتِ عثمان غنی کے لڑکے سعید اس علاقے کے گورنر بنائے گئے۔ انہوں نے عبیداللہ کی مہمات کو جاری رکھا اور خوں ریز جنگوں کے بعد سمر قند کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

شمالی افریقہ کی فتوحات

خلافتِ راشدہ اور خصوصاً حضرتِ عمرؓ کے دورانِ خلافت میں ہی شمالی افریقہ کا بہت سا حصّہ مسلمان فتح کر چکے تھے اور یہاں مسلمانوں کے قدم بڑی مضبوطی سے جم چکے تھے۔ سنہ ۴۱ھ میں امیر معاویہ کی فوجوں نے لواتہ اور زناتہ فتح کر لیا اور سنہ ۴۳ھ میں سوڈان کا وسیع و زرخیز علاقہ بھی اُن کی اطاعت میں آ گیا۔ افریقہ کے بربر بہت سرکش واقع ہوئے تھے وہ لشکرِ اسلام کی طاقت کے پیشِ نظر اطاعت تو قبول کر لیتے مگر جونہی انہیں موقع ملتا علمِ بغاوت بلند کر دیتے۔ سنہ ۵۰ھ میں امیر معاویہ نے عقبہ بن نافع کو ان کی سرزنش کے لئے بھیجا۔ اس دفعہ بڑی خوں ریز لڑائی کے بعد مسلم افواج نے بربریوں کا زور ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور آئندہ خطرات کو دبانے کے لئے ایک نئے شہر قیروان کی بنیاد رکھی جس کو مضبوط فوجی چھاؤنی بنا دیا گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

رومیوں سے لڑائیاں

اس زمانہ میں مسلمان سیاسی طور پر بہت مضبوط ہو چکے تھے ہمسایہ طاقتوں کا زور شور انہوں نے ختم کر دیا تھا۔ صرف رُومی حکومت رہ گئی تھی۔ جس سے مسلمانوں کی شمشیر آزمائی رہتی تھی۔ اور رومیوں کی روک تھام کے لئے مسلمانوں کو بہت سی نئی چھاؤنیاں اور بحری بیڑے تیار کرنے پڑے۔ عبداللہ بن قیس حارثی، جنادہ ابن ابی امیہ عبدالرحمن بن خالد بن ولید جیسے کمانڈر بحری جنگوں میں شریک رہے۔ اس سلسلہ میں ۴۸ھ کا قسطنطنیہ پر حملہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ شہر اس وقت یورپی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ سفیان بن عوف کو ایک بڑی فوج دے کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ چونکہ اس شہر کی فتح کی بشارت رسول پاکؐ نے بھی دی تھی۔ اس لئے بہت سے نامور صحابی بھی اس مہم کے ساتھ ہو لئے۔ جن میں حضرتِ ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس خاص طور پر مشہور ہیں۔ شہنشاہِ روم نے عیسائیت کے اس مرکز کی مدافعت کے لئے بڑے پیمانے پہ انتظامات کر رکھے تھے۔ شہر سے باہر مسلمانوں اور عیسائیوں میں بڑے زور کی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں بہت سے صحابی شہید ہوئے۔ حضرتِ ابوایوب انصاری بھی شہید ہو گئے۔ مگر مسلسل جدوجہد کے باوجود مسلمان قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کر سکے۔

اس مہم کے بعد امیر معاویہ کی زندگی کا آخری قابل ذکر واقعہ یزید کی نامزدگی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی تحریک مغیرہ بن شعبہ نے شروع کی۔ اس نے امیر معاویہ اور یزید دونوں کو اس پر آمادہ کیا اور کوفہ پہنچ کر حامیان بنی امیہ میں اس تحریک

کو بڑے زور سے شروع کر دیا۔ اسی طرح مملکت کے دوسرے صوبوں میں بھی حاکمین کو بھی اس سلسلہ میں حکمنامے جاری کئے گئے کہ وہ بھی یزید کے حق میں لوگوں سے بیعت لیں۔ چنانچہ عراق و شام کے باشندوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ لیکن بیعت کا اصل معاملہ حجاز میں طے ہونا تھا کہ یہیں نامور صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ ابن زبیر، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر مقیم تھے۔ اس لئے امیر معاویہ خود مکہ و مدینہ پہنچے اور پانچوں جلیل القدر صحابہ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ حجاز کے لوگ تذبذب کی حالت میں ہی رہے کہ معاویہ کو مرض الموت نے آلیا۔

علالت اور وفات

۶۰ھ میں امیر معاویہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ اُس وقت اُن کی عمر ۷۸ برس کی تھی۔ وفات کے وقت یزید دمشق میں موجود نہ تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ نے ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ وہ وصیت نامہ یزید تک پہنچا دیں۔

سیرت و کردار

جیسا کہ اس باب کے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت امیر معاویہ قریش کے اس نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو قدر و منزلت میں بنو ہاشم کے بعد سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔ امیر معاویہ میں وہ تمام اوصاف موجود تھے۔ جن کا ایک کامیاب بادشاہ میں ہونا ضروری ہے علمی لحاظ سے بھی امیر معاویہ تہی دامن نہ تھے: بچپن ہی میں انہوں نے پڑھنے لکھنے میں خاص مہارت پیدا کر لی تھی۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے انہیں کاتب وحی ہونے کی عزت بخشی۔ مذہبی علوم میں اتنی دسترس

www.pdfbooksfree.pk

رکھتے تھے کہ بڑے بڑے صحابہ ان سے کسبِ فیض کرتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن عباس ان کی ذہانت اور علمیت کے معتقد تھے۔ شعر و ادب کا مذاق بھی رکھتے تھے اور ان کو تہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ خیال کرتے تھے وہ ایک جادو اثر مقرر بھی تھے اور علامہ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں ان کی ایک تقریر نمونتہً پیش کی ہے۔ نیز تاریخِ اسلام میں سب سے پہلے انہوں نے ایک مبسوط تاریخ لکھوانے کا خیال ظاہر کیا اور ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ تاریخِ قدیم کی داستانوں اور سلاطین عجم کے حالات کو قلمبند کرے۔

حضرت امیر معاویہ میں علم و عمل کی وہ خصوصیات تو نہ تھیں، جو مہاجرین کے اسمائے گرامی کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں۔ مگر پھر بھی صحابی ہونے کی وجہ سے ان کا دامن اخلاقی فضائل کے پھولوں سے خالی نہ تھا۔ قیامت کا خوف اور رعایا کی فلاح و بہبودی کا خیال ان کے دل میں پوری طرح جاگزیں تھا۔ وہ مقتدر صحابہ کرام کی بہت عزت کرتے تھے۔ چنانچہ تمام اکابر صحابہ کے وظائف مقرر تھے۔ اسی طرح حلم و تدبر بھی ان کے ممتاز اوصاف تھے۔ عدل و انصاف کے متعلق ان کو اتنا خیال تھا کہ شاہی دربار میں وارد ہونے سے پہلے روزانہ مسجد میں غریبوں اور مفلسوں کی دادرسی کے لئے تشریف لے جاتے۔ لوگوں کی شکایات سنتے اور انہیں رفع کرنے کی کوشش کرتے۔

طرزِ حکومت

امیر معاویہ کی حکومت شخصی تھی۔ اس لئے اپنے خاندان کے استحکام و بقا کے لئے انہیں خود ہی ہر ممکن کوشش کرنی پڑتی۔ مگر ان تدابیر سے بنی امیہ کی حکومت تو ایک مدت کے لئے مضبوط ہو گئی مگر خلافتِ اسلامیہ کی روح

جاتی رہی۔ کاروبارِ سلطنت کا ڈھانچہ تو بہت حد تک پرانا ہی رہا۔ مگر اس پر شہنشاہیت غالب آگئی۔

مشاہیرِ کار

امیر معاویہ اگرچہ ہر لحاظ سے مطلق العنان تھے۔ وہ خلفائے راشدین کی طرح اہم امور کے لئے مجلسِ شوریٰ نہ بلاتے تھے۔ مگر دنیائے عالم کے اکثر نامور مدبرین مشورہ کے لئے ہر وقت حاضر رہتے۔ عمرو ابن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان، امیر معاویہ کے خاص رفقاء اور مشیروں میں سے تھے۔ ان کے عہد میں صوبوں کی تقسیم وہی تھی جو عہد فاروقی میں تھی۔ مشرق میں جتنے نئے علاقے فتح ہوئے، انہیں خراسان کے ماتحت کر دیا گیا۔ اور مغرب میں جو فتوحات ہوئیں انہیں مصر کے ماتحت کر دیا گیا اور ان صوبوں کے نظام میں کوئی زیادہ تبدیلی نہیں کی گئی۔

فوج

امیر معاویہ کے خاندان میں سپہ سالاری پشتوں سے چلی آتی تھی۔ اس لئے انہوں نے عنانِ حکومت سنبھال کر صیغۂ فوج کو اپنی خاص توجہ کا مرکز بنایا۔ اس کی ترقی کے لئے ہر قسم کے ذرائع مہیا کئے گئے۔ سب سے زیادہ ترقی بحری فوج میں ہوئی۔ حضرتِ عثمانؓ کے عہد میں سب سے پہلے مسلمانوں نے بحری فوج کی طرف توجہ مبذول کی حضرت امیر معاویہ نے اس بیڑے میں نمایاں اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ بحری جہازوں کی تعداد ۵۰۰ کے قریب ہو گئی اور ان کے عہد میں جب مسلمانوں نے جزیرۂ قبرص

www.pdfbooksfree.pk

پر حملہ کیا تو ان کے جہازوں کی تعداد ۵۰۰ سے زیادہ تھی۔ انہوں نے بحری فوج کے سپہ سالاروں کے لئے علیحدہ عہدہ بنایا اور جنادہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن قیس حارثی جیسے جری سپاہی اس عہدہ پر فائز رہے اور جہاز سازی کا ایک بڑا کارخانہ مصر میں کھولا گیا۔ امیر معاویہ نے سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہت سے قلعے بھی بنائے اور اسلامی افواج میں منجنیق کے استعمال کو عام کیا۔

پولیس اندرونِ ملک میں نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے پولیس کا صیغہ قائم کیا گیا۔ اور اس نے بہت ترقی کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صرف کوفہ کے علاقہ میں ۴۰۰۰۰ کے قریب سپاہی موجود تھے۔ جس کی وجہ سے ملک میں کامل امن و امان تھا۔ پولیس مشتبہ لوگوں کی نگرانی بھی کرتی تھی اور ان کے اندراج کے لئے رجسٹر رکھے جاتے تھے۔

ڈاک اس محکمہ کو برید کہتے تھے۔ امیر معاویہ نے سب سے پہلے ڈاک کا ایک مستقل صیغہ قائم کیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ ملک میں ہر تھوڑے فاصلے پر گھوڑوں کا انتظام کرے اور سرکاری ہرکارے خبروں کو ان کے ذریعے ملک کے دور دراز گوشوں میں لے جاتے تھے۔

دیوانِ خاتم یہ مرکزی حکومت کا ریکارڈ آفس تھا جو فرامین مرکزی حکومت کی طرف سے صوبوں کے نام جاری ہوتے تھے۔ ان کی نقلیں اس

دفتر میں رکھی جاتی تھیں۔ یہ محکمہ بھی امیر معاویہ کے دماغ کی ایجاد تھا۔ اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض اوقات سرکاری حکمناموں میں تغیر و تبدل کر دیا جاتا تھا۔ مگر مرکز میں ہر حکمنامہ کی نقل رکھنے کی وجہ سے اس کے امکانات جاتے رہے۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۳۳

3 سال 8 مہینے

عمر 38 برس

یزید بن معاویہ

سنہ ۶۰ھ تا ۶۴ھ مطابق سنہ ۶۸۰ء تا ۶۸۳ء

سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ کی وفات کے بعد اس کا لڑکا یزید متمکن تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس کی ماں کا نام میسون بن بجدل تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے عہد حکومت میں سنہ ۲۶ھ میں پیدا ہوا امیر معاویہ کو اس وقت تمام ملک شام کی حکمرانی سپرد ہو چکی تھی۔ اس لئے اس نے عیش و آرام کے گہوارہ میں تربیت پائی۔ دولت و ثروت کی فراوانی تھی اس لئے اس نے عہد شہزادگی میں ہی چنگ و رباب سے وابستگی پیدا کر لی تھی۔ رنگین مزاجی نے اس کا رشتہ شراب سے بھی جوڑ دیا تھا۔ پھر کیا تھا۔ یزید شب و روز ہوا و ہوس اور سیر و شکار میں مصروف رہنے لگا۔ ان اخلاقی قباحتوں کے باوجود اس میں بہادری کا جوہر ضرور تھا۔ چنانچہ عہد معاویہ میں قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں وہ اسلامی افواج کے ہمرکاب تھا۔ مگر طبیعت میں تن آسانی و عیش پرستی غالب تھی۔ اس لئے اس کے اس جوہر کو زیادہ ابھرنے کا موقع نہ ملا۔

خلافت امیر معاویہ اپنی زندگی میں ہی یزید کے حق میں رعایا اور بعض اکابر ملت سے بیعت لے چکے تھے۔ مگر سرزمین

حجاز کے ناموروں نے جن میں حضرت امام حسینؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یزید کے حق میں بیعت نہیں کی تھی۔ یہ جلیل القدر اصحاب اپنی ذاتی فضیلت اور عظمت کی وجہ سے ملت میں بے حد اثر و رسوخ کے مالک تھے، اس لئے یزید ان کی بیعت کے بغیر اپنے اقتدار کو مستحکم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہونے کے فوراً بعد جو مسئلہ اسے دامن گیر ہوا وہ یہی تھا کہ ان نامور حضرات سے بیعت لے۔ اس وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان مدینہ کا حاکم تھا۔ چنانچہ یزید نے اسے لکھا کہ وہ ان چاروں اصحاب سے بیعت لے۔ یزید کو حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے کسی قسم کا خدشہ نہ تھا۔ کیونکہ یہ دونوں بزرگ جاہ و منصب کے خواہاں نہ تھے۔ اس لئے اس نے اپنی تمام تر توجہ حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر پر مرکوز کر دی۔ ولید کے بلاوے پر حضرت امام حسین اس کے ہاں گئے اور یزید کے حق میں بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ ولید نرم طبیعت آدمی تھے اس نے اس وقت حضرت امام پر زور نہ ڈالا اور انہیں رخصت ہونے کی اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ولید کا بلاوا آیا مگر وہ خاموشی کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے۔ ولید کے پیروکاروں نے ان کا تعاقب کیا مگر وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت امام حسین کی روانگی مکہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر کے ایک دن بعد حضرت امام حسین بھی اپنے اہل و عیال کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت امام اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ شیعیان عراق کا میلان آپ کی طرف

www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ نیز اہلِ کوفہ سے خطوط کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ روانگی سے پیشتر آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے آپ کو تاکید کی کہ آپ اہالی کوفہ کے قریب بھی نہ آئیں اور مکّہ سے باہر قدم نہ رکھیں۔ راستہ میں حضرتِ امام حسینؓ کے ایک اور محب عبداللہ ابن مطیع ملے، انہوں نے بھی حضرتِ امام کو یہی مشورہ دیا کہ مکّہ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر کوفہ جانے کا قصد کبھی نہ کریں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ اپنی بد اعتقادی کے لئے مشہور ہیں

اہلِ کوفہ کے دعوتی خط

حضرتِ امام حسین جب مکّہ تشریف لے گئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر مختلف اطراف سے جوق در جوق لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ہر جانب سے ان کی طرف داری اور جاں نثاری کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرتِ عبداللہ بن زبیر جو حضرت امام سے پہلے مکّہ پہنچ چکے تھے۔ گاہے گاہے گوشۂ حرم سے نکل کر حضرتِ امام حسینؓ کے مشوروں میں شریک ہوتے۔ اہلِ کوفہ شروع سے ہی اہلِ بیت کی محبت کے دعویدار تھے اور ان کی وجہ سے ہی حضرتِ علی رضی اللہ عنہٗ نے اپنے دورانِ حکومت میں دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔ اس وقت بھی انہوں نے یزید کے خلاف حضرتِ امام حسین کی حمایت میں پُر جوش جذبہ دکھانا شروع کیا۔ انہوں نے حضرتِ امام کو بے شمار خطوط لکھے۔ رؤسا کوفہ نے ذاتی پیغامات بھیجے اور اس بات کا یقین دلایا کہ وہ یزید کے خلاف لڑیں گے اور اسلامی سیاست کو یزید کی بد عنوانیوں سے داغدار نہ ہونے دیں گے۔

حضرتِ مسلم بن عقیل کی روانگی

جب خطوط کی تعداد حد سے زیادہ بڑھ گئی اور کوفیوں کا اصرار مسلسل بڑھتا گیا تو حضرتِ امام حسین نے اپنے چچیرے بھائی

مسلم بن عقیل کو کوفہ میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ مسلم بن عقیل مدینہ سے کوفہ پہنچے، ان کے شہر میں داخل ہوتے ہی حامیانِ اہلِ بیت ان کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اہلِ کوفہ کے خطوط ان کے پاس تھے اور کوفیوں سے بار بار اس بات کا وعدہ لیتے کہ وہ حضرت امام حسینؓ کا خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ دیں گے۔ اس وقت کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر تھے۔ نعمان صلح جُو اور نیک فطرت انسان تھے انہوں نے مسلم بن عقیل کے خلاف کوئی خاطر خواہ کارروائی نہ کی۔ آخر حامیانِ بنی امیہ میں سے کسی نے یزید کو سارے حالات کی اطلاع دے دی۔ یزید نے اُسی وقت بصرہ کے حاکم عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔

عبیداللہ بن زیاد کی آمد

عبیداللہ بن زیاد ایک جابر شخص تھا اور عمالِ بنی امیہ میں وہ اپنے ظلم و تعدی کے لئے مشہور تھا۔ اس نے شہر میں داخل ہوتے ہی اہلِ بیت کے حامیوں کو سخت سزائیں دینے کی دھمکی دی اور اہلِ بیت کی حمایت کرنا سرکاری جرم قرار دیا۔ اس کے بعد ابنِ زیاد حضرت مسلم بن عقیل کی طرف متوجہ ہوا۔ ابن زیاد نے حضرتِ مسلم بن عقیل کے مکان کو محاصرہ میں لے لیا۔ محاصرہ کے وقت چند ہزار کوفی آپ کے ہمراہ تھے۔ مگر ابن زیاد کے بڑھتے ہوئے ظلم و ستم کے پیشِ نظر یہ تعداد آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور حضرت مسلم بن عقیل تقریباً اکیلے رہ گئے اور جب مقابلہ کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو انہوں نے ابن زیاد کے سپاہیوں کے آگے ہتھیار ڈال دئے۔ مسلم بن عقیل جب ابنِ زیاد کے سامنے لائے گئے تو اس نے حضرت مسلم بن عقیل

www.pdfbooksfree.pk

اور ان کے میزبان ابن عروہ دونوں کو قتل کروا دیا۔

حضرت امام حسینؓ کی روانگی کوفہ کی طرف

حضرت مسلم بن عقیل اپنے قتل سے پہلے حضرت امام حسینؓ کو ایک پیغام کے ذریعے اطلاع دے چکے تھے کہ کوفہ میں حامیانِ اہلِ بیت کی تعداد اٹھارہ ہزار کے قریب ہے۔ اس لئے آپ آسانی کے ساتھ کوفہ تشریف لا سکتے ہیں۔ اس پیغام کے ملتے ہی حضرت امام حسینؓ نے کوفہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے سامنے اہل و عیال کو ساتھ لے جانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ روانگی سے پیشتر چند مخلص خیر خواہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو کوفہ جانے سے روکا۔ سب سے پہلے محمد بن عبدالرحمٰن بن حرث آئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اہلِ کوفہ بد عہد لوگ ہیں یہ وعدے تو بہت کرتے ہیں مگر پورا نہیں کرتے۔ اس کے بعد ان کے عزیز رشتہ دار عبداللہ بن عباس حاضر ہوئے۔ انھوں نے بھی حضرت امام کو کوفہ جانے سے منع کیا اور جب حضرتِ امام نے جانے کے لئے اصرار کیا تو حضرتِ عبداللہ بن عباس نے یہاں تک کہا کہ آپ اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اور انہیں جنگ و سفر کی صعوبتوں میں نہ ڈالیں۔ آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیر بھی حاضر ہوئے۔ انھوں نے بھی حضرتِ امام کو کوفہ نہ جانے کی تلقین کی۔ مگر حضرتِ امام حسینؓ چونکہ سفر کا پختہ ارادہ کر چکے تھے، اس لئے خیر اہل کی نصیحتوں کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت امام حسینؓ اپنے اہل و عیال اور چند عزیز رفیقوں کے ہمراہ سفرِ کوفہ کے لئے نکلے۔ آپ کا قافلہ

کوفہ کی طرف گامزن تھا کہ صفاح کے مقام پر مشہور شاعرِ اہلِ بیت فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ حضرتِ امام نے شاعر سے اہلِ عراق کے حالات پوچھے تو اس نے ان الفاظ میں حالات پر روشنی ڈالی:

"اہلِ عراق کے دِل آپ کے ساتھ ہیں، مگر ان کی تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں اور فیصلہ خدا کے اختیار میں ہے" (تاریخِ ملت جلد سوم صفحہ ۷۲)

حضرتِ امام حسینؓ کیونکہ بہ نیت خیر جا رہے تھے۔ اس لئے اُنھوں نے خدا کی ذات پہ بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھا۔ سفر کرتے ہوئے جب یہ مختصر سا قافلہ زبالہ کے مقام پر پہنچا تو حضرت امام حسینؓ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی۔ یہ خبر انتہائی حوصلہ شکن تھی۔ آپ کے چند ساتھی آپ کو چھوڑ کر گھروں کو واپس بھی چلے گئے۔ مگر آپ نے اپنے خاندان کے اصحاب اور چند جاں نثار رفقا کے ہمراہ اپنے سفر کو جاری رکھا۔

میدانِ کربلا

جب حضرت امام حسینؓ میدانِ کربلا میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ اموی افواج کا ایک جرنیل حُر بن یزید تمیمی آپ کا راستہ روکے ہوئے کھڑا ہے۔ اب حضرتِ امام نے یہی مناسب سمجھا کہ اس میدان میں خیمے لگا دیں۔ کیونکہ دریائے فرات بھی اس جگہ سے قریب ہی تھا۔ جس روز حضرتِ امام حسینؓ اس میدان میں اُترے، اُس روز ماہِ محرم ۶۱ھ ۲ تاریخ تھی۔ اس کے دوسرے دن عمر بن سعد بن وقاص چار ہزار اموی سپاہی لے کر میدانِ کربلا میں پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی حضرتِ امام حسینؓ پر اور زیادہ مظالم کرنے شروع کر دیئے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابنِ زیاد نے ۷ محرم کو حضرت

www.pdfbooksfree.pk

امام اور ان کے ساتھیوں کے لئے دریائے فرات کا پانی تک بند کر دیا۔ دو روز تک فریقین میں گفت و شنید ہوتی رہی۔ مگر مصالحت کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ بالآخر حضرتِ امام کو یقین ہو گیا کہ راہِ حق میں ان کی شہادت ضروری ہو گئی ہے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے سامنے بصیرت افروز تقریر کی اور ان کو سمجھایا کہ آنے والی صبح ان کے لئے صبح شہادت ہے اور عساکر یزید کے ساتھ فیصلہ کُن جنگ ہونے والی ہے۔ نیز انہوں نے اپنے ساتھیوں سے استدعا کی کہ اگر وہ گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو جا سکتے ہیں۔ مگر ساتھیوں نے متفق الرائے ہو کر حضرتِ امام کا آخری دم تک ساتھ دینے کا حلف اٹھایا۔ اس کے بعد حضرت امام نے مدافعت کی غرض سے چند ضروری انتظامات کئے اور اس کے بعد بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئے۔

شہادت امام حسینؓ

آخر دسویں محرم کی خون آشام صبح ہوئی۔ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر حضرتِ امام حسینؓ اپنے بہتّر جاں نثاروں کو لے کر میدان میں آ گئے۔ میمنہ پہ زہیر بن قین کو مقرر کیا۔ میسرہ حبیب بن مظہر کے سپرد کر دیا اور جھنڈا حضرتِ عباس بن علیؓ کے ہاتھوں میں دیا۔ اس طرح لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک شخص نکلتا اور اپنے حریف سے لڑتا۔ پھر عام لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرتِ امام کے مٹھی بھر جانثاروں نے دادِ شجاعت دی۔ انہوں نے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ مگر اموی افواج سے جو تعداد میں کئی گنا زیادہ تھیں کس طرح مقابلہ کرتے۔ دوپہر کے وقت تک ان

کے تقریباً سب ساتھی شہید ہو چکے تھے۔ اس کے بعد سرفروشانِ اہلِ بیت کی باری آئی۔ علی اکبر بن حسینؓ۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل۔ عبدالرحمٰن بن عقیل۔ محمد بن عقیل۔ قاسم بن حسین بن علی۔ ابوبکر بن حسین بن علی بھی باری باری راہِ حق میں شہید ہو گئے۔ اب میدان میں حضرتِ امام حسین اکیلے رہ گئے تھے۔ جسمِ اقدس زخموں سے چور چور تھا۔ تشنگی نے بے قرار کر رکھا تھا۔ مگر جوش و جذبہ میں قطعی کوئی فرق نہ تھا۔ دشمن کے مقابلہ میں کمال پامردی اور استقلال سے ڈٹے رہے۔ مگر ہزاروں سپاہیوں کا بھلا ایک شخص کتنی دیر تک مقابلہ کر سکتا تھا۔ آخر دشمنوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ دشمنانِ اہلِ بیت نے سرِ اقدس کو تن سے جدا کر دیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے وقت آپ کے جسمِ مبارک پہ نیزوں اور تلواروں کے کوئی ۶۳ کے قریب زخم تھے۔

اہلِ بیت کی روانگی شام کو

حضرتِ امام حسینؓ کی شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ جمعہ کے روز پیش آئی۔ چند نابکاروں نے آپ کی مستورات کے خیمے بھی لوٹنے کا خیال کیا، مگر عمر بن سعد نے انہیں اس حرکتِ قبیح سے روکا۔ اس کے بعد اہلِ بیت کا قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ کوفہ پہنچ کر شہدا کے سر ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے۔ ابن زیاد نے اس قافلہ کو فوج کی نگرانی میں یزید کے پاس دمشق بھجوا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید نے اہلِ بیت کی تباہ حالی دیکھ کر ندامت سے سر جھکا دیا۔ یہ ندامت کس حد تک حقیقت پہ مبنی تھی اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یزید نے

www.pdfbooksfree.pk

خاندانِ نبوّت کی مستورات کو نہایت احترام سے شاہی حرم میں رکھا اس کے بعد مناسب انتظامات کے ساتھ آپ کو مدینہ روانہ کر دیا

واقعہ حرّہ

کربلا کے حادثۂ عظیم نے تمام اسلامی دنیا کو مضمحل کر دیا۔ حضرتِ امام کے قتل سے لوگوں میں ہر سُو اضطراب نظر آنے لگا۔ خصوصاً سرزمینِ حجاز کے لوگ جنہوں نے شہیدِ اعظم حضرتِ امام کی جامع کمالات شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یزید کی اس قبیح حرکت کو ناقابلِ معافی سمجھتے۔ جونہی شہادت کی خبر مکّہ پہنچی، اہلِ مکّہ حضرتِ عبداللہ بن زبیر کے گرد جمع ہونے لگے۔ حضرتِ عبداللہ بن زبیر نے لوگوں کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر تو کر دی مگر حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر کوئی عملی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح مدینہ میں بھی یزید کے خلاف ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ چنانچہ ۶۲ھ میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والیٔ حجاز بنا کر بھیجا۔ عثمان کے وہاں پہنچتے ہی لوگوں نے بغاوت کر دی اور اسے قید کر دیا۔ مدینہ میں یزید کے حواریوں نے اسے صورتِ حالات سے آگاہ کیا، تو اس نے اہلِ مدینہ سے انتقام لینے کا قصد کیا لہٰذا اس مقصد کے لئے اس نے یکے بعد دیگرے بشیر بن نعمان، عمر بن سعید اور عبید اللہ بن زیاد کا تقرر کیا۔ مگر تینوں نے کسی نہ کسی بہانے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ آخر یزید نے مسلم بن عقبہ کو اس کام پر مامور کیا۔ یزید کے حکم کے مطابق مسلم نے مدینہ پہنچ کر یہاں کے لوگوں کو اطاعتِ یزید کے لئے کہا۔ مگر اہالیٔ مدینہ نے اس سے قطعی انکار کر دیا۔ اس کے بعد فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔ مدینہ والوں کو بہت بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد مسلم مدینہ میں داخل ہوا

اور تین روز تک شہر میں قتل و خون کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ افسوسناک حادثہ ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو پیش آیا۔ اس لڑائی میں قریش اور دیگر نامور قبائل کے سربرآوردہ لوگ شہید ہو گئے اور کربلا کے بعد اس واقعہ کو یزید کے سیاہ اعمال نامہ کا ایک اور تاریک باب خیال کیا جاتا ہے۔

محاصرہ مکّہ

یزید کی اخلاقی کمزوریوں اور غیر شرعی حکومت کے پیشِ نظر مکّہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نیک دل اور صالح بزرگ تھے۔ مکّہ کے لوگوں نے انہیں یزید کے خلاف اُبھارا۔ مسلم بن عقبہ جب مدینہ کی بغاوت فرو کر چکا تو اس نے مکّہ کی طرف توجہ مبذول کی۔ مگر مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ حصین بن نمیر کو اس کا قائم مقام مقرر کیا گیا۔ حصین نے ۶۴ھ میں مکّہ کو محاصرہ میں لے لیا۔ افواجِ یزید کی سنگباری سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی بہت نقصان پہنچا۔ حضرتِ ابن زبیر مسلسل مقابلہ کرتے رہے۔ مگر ابھی یہ محاصرہ جاری ہی تھا کہ یزید کا انتقال ہو گیا۔

عہدِ یزید کی دیگر فتوحات

سید الشہدا حضرتِ امام حسین کی شہادت اور مدینہ اور مکّہ کی بے حرمتی اور پامالی کے علاوہ یزید کی افواج نے بیرونی ممالک میں چند فتوحات بھی کیں۔

افریقہ

افریقہ کی بربر قوم بڑی سرکش واقع ہوئی تھی۔ عربوں کے ساتھ انہیں فطری عناد تھا۔ چنانچہ جب بھی وہ مرکزی حکومت کو کمزور دیکھتے، علمِ بغاوت بلند کر دیتے۔ ۶۲ھ میں یزید نے افریقہ کے والی ابوالمہاجر کو برطرف کر کے عقبہ بن نافع کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ عقبہ نے افریقہ کے دارالحکومت قیروان

www.pdfbooksfree.pk

پہنچتے ہی جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے وہ باغایہ کے علاقہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں اس کا مقابلہ رومیوں کے لشکرِ جرار سے ہوا۔ دونوں طرف سے دادِ شجاعت دی گئی۔ مگر آخر کار نصرت و کامرانی مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔ اس سے آگے بڑھ کر عقبہ نے زاب کے علاقہ پر حملہ کیا اور رومیوں اور نصرانیوں کی متحدہ افواج کو شکستِ فاش دی۔ یہاں سے اسلامی لشکر نے قاہرت کی طرف کوچ کیا۔ یہاں بربریوں اور رومیوں نے ایک بہت بڑا اجتماع کر رکھا تھا۔ اس جگہ بھی مسلمانوں نے انھیں پر شاندار فتح حاصل کی۔ اس فتح کے بعد پھر مسلمانوں کو کسی سخت مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا اور وہ بغیر روک ٹوک کے شمالی افریقہ کے آخری کنارہ تک پہنچ گئے۔

کسیلہ بن کمرم کی بغاوت

مندرجہ بالا فتوحات کے بعد افریقہ میں بہت حد تک امن قائم ہو گیا۔ مسلمانوں نے بزورِ شمشیر اپنا وقار و اقتدار پھر بحال کر لیا۔ مگر کسیلہ بن کرم نے دفعتہً بغاوت کر کے افریقہ میں پھر ابتری پیدا کر دی۔ کسیلہ بن کمرم افریقہ کا ایک نامور فرمانروا تھا۔ ابو المہاجر جب افریقہ کا والی تھا تو یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا۔ ایک روز عقبہ بن نافع کے آدمیوں نے اس سے ناروا سلوک کیا۔ جس کی وجہ سے اس نے ملک میں بغاوت پیدا کر دی۔ کسیلہ نے اپنے رومی اور بربری حواریوں کے ہمراہ قیروان پر حملہ کیا۔ عقبہ بن نافع اس وقت قیروان میں موجود نہ تھا۔ اس کے نائب زہیر بن قیس نے مقابلہ کرنا چاہا مگر عوام نے ساتھ نہ دیا۔ زہیر شہر سے بھاگ گیا اور قیروان پر کسیلہ کا قبضہ ہو گیا۔

فتوحاتِ خراسان و سجستان

سنہ ۶۱ھ میں یزید نے مسلم بن زیاد کو خراسان اور سجستان کا

والی مقرر کر دیا تھا۔ مسلم تجربہ کار اور زیرک شخص تھا۔ حادثۂ کربلا کے بعد یزید نے مسلم کے بھائی عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ وہ چھ ہزار سپاہی مسلم کے پاس بھیج دے۔ مسلم بن زیاد ان سپاہیوں کو لے کر خوارزم کی طرف بڑھا کیونکہ یہاں خراسان اور ترکستان کے چند سرکش سرداروں نے اجتماع کر رکھا تھا۔ مسلم نے ان سے مقابلہ کیا اور ان کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد صلح کر لی۔ اس کے بعد مسلم نے سمرقند اور خجند پر فوج کشی کی اور یہاں بھی اسلامی افواج کو خاطر خواہ فتوحات نصیب ہوئیں۔

یزید کی وفات

تین سال اور آٹھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۶ھ کو یزید نے وفات پائی اس وقت اس کی عمر اڑتیس برس کی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

باب ۳۴

معاویہ ثانی بن یزید

سنہ ۶۴ھ مطابق سنہ ۶۸۵ء

معاویہ ثانی یزید کا بڑا لڑکا تھا۔ سنہ ۶۴ھ میں باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا تو اس وقت اس کی عمر اکیس برس کی تھی۔ نہایت پارسا اور دیندار شخص تھا۔ عہد یزید کی بدعنوانیوں کی وجہ سے تاج و تخت سے دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ اس لئے تین مہینے کی خلافت کے بعد وہ تاج و تخت کی ذمہ داریوں سے دل برداشتہ ہو گیا۔ چند مہینے عزلت کی زندگی گزارنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

مدتِ خلافت = 9 مہینے
عمر = 63 برس

باب ۳۵

مروان بن حکم

سنہ ۶۴ تا ۶۵ھ مطابق سنہ ۶۸۵ء

سلسلۂ نسب مروان کا رشتہ بنی امیہ کی دو مشہور شاخ بنی العاص سے منسلک تھا۔ اس کا باپ حکم بن العاص حضرتِ عثمان کا حقیقی چچا تھا۔ حکم فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گیا۔ مگر راسخ العقیدہ انسان نہ تھا۔ اس لئے رسولِ خدا نے اسے اور اس کے کنبے کو طائف میں جلا وطن کر دیا تھا۔ حضرتِ عثمانؓ نے اپنے دورانِ حکومت میں حکم اور مروان دونوں کو مدینہ واپس بلا لیا اور مروان کو انہوں نے اپنا سیکرٹری بنا لیا اور خلافت کی مہر اس کے قبضہ میں ہی رہتی تھی۔ اس کے بعد مروان مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ یہاں تک کہ امیر معاویہ کا زمانہ آیا اور انہوں نے اس کو مدینہ کا گورنر بنا دیا۔

مدینہ سے اخراج یزید کی وفات اور معاویہ ثانی کی دستبرداری کے بعد حجاز میں حضرتِ ابن زبیرؓ (جن کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا) نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس وقت مروان اور اس کا بیٹا عبدالملک دونوں مدینہ میں تھے۔ حضرتِ ابنِ

www.pdfbooksfree.pk

زبیر بنی امیہ سے فطری عناد رکھتے تھے۔ انہوں نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی تمام بنی امیہ کو سرزمینِ حجاز سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ مؤرخین اسے حضرتِ ابن زبیر کی سیاسی غلطی خیال کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر بنی امیہ کو وہیں روک لیا جاتا تو وقتی ہنگامہ آرائیوں نے انہیں بے بس کر دیا تھا اور ابن زبیر کا مقابلہ کرنے کی ان میں سکت نہ رہی تھی۔

شام میں ورود

مروان مدینہ سے نکل کر شام میں وارد ہوا یہاں کی حالت اس وقت نہایت ابتر تھی۔ چاروں سو بدامنی کا دور دورہ تھا۔ یہاں بھی ابن زبیر کا اثر بڑھ رہا تھا اور بنی امیہ سے بیزاری کا جذبہ عام تھا۔ ایسے ناسازگار حالات میں مروان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ حضرتِ ابن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر لے۔ مگر ایسے نازک وقت پر چند باہمت اموی عمائد کی حوصلہ مندی نے حالات کا نقشہ پلٹ دیا۔ چند اموی سردار اور ارکانِ ملک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنی امیہ کو اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے از سرِ نو کوشش کرنی چاہیئے چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے مروان کو اپنا لیڈر منتخب کیا۔ کیونکہ بنی امیہ میں اس وقت سن رسیدہ اور برگزیدہ شخصیت اسی کی تھی۔ چند ہفتوں کے بعد بنی امیہ کے پیروکاروں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور سنہ ٦٤ھ میں وہ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ مروان کے انتخاب سے بنی امیہ کے قصرِ امارت کی گرتی ہوئی عمارت پھر سنبھل گئی۔

مرج راہط کی جنگ اور شام پر قبضہ

بنی امیہ کے

پایۂ تخت دمشق پر اس وقت ابن زبیر کے حواریوں کا قبضہ تھا۔ اور قبیلہ قیس کا سردار ضحاک بن قیس ان کی طرف سے حکمرانی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

بنی امیہ کے ایک حامی یزید بن ابی نمس نے ضحاک کے نائب کو دمشق سے نکال دیا اور اسلحہ اور خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یزید بن ابی نمس ضحاک کے مقابلہ کے لئے مرج راہط پہنچا۔ محرم ٦٥ھ میں دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ ضحاک نے شکست کھائی اور وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ اس جنگ میں قبیلہ قیس کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ یہ قبیلہ شام میں ابن زبیر کا حامی تھا۔ اس قبیلہ کی شکست کے بعد شام میں ابن زبیر کا اقتدار ختم ہو گیا۔

مصر پر قبضہ

شام میں اپنے پاؤں جمانے کے بعد مروان نے مصر کا رخ کیا۔ کیونکہ اسلامی مملکت کے صوبوں میں اس وقت مصر کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ مروان نے لشکر کشی کی۔ مگر وہاں کے لوگوں نے کشت و خون کے بغیر ہی مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کی رضامندی ظاہر کر دی۔ اس طرح مصر پر بھی مروان کا قبضہ ہو گیا۔

ولیعہدی کا مسئلہ

بیان کیا جاتا ہے کہ مروان نے آغاز حکومت میں خالد بن یزید اور عمرو ابن سعید کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔ لیکن چند مہینوں کے بعد اس نے دونوں کو خارج کر دیا اور اپنے لڑکوں عبدالملک اور

www.pdfbooksfree.pk

عبدالعزیز کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کر دیا۔

وفات

رمضان ۶۵ھ میں مروان نے وفات پائی تاریخوں میں اس کی علالت کا کہیں ذکر نہیں ملتا اس لئے قیاس غالب ہے کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے زہر پلا دیا۔ انتقال کے وقت مروان کی عمر ۶۳ برس تھی اور مدتِ خلافت صرف نو مہینے۔

باب ۳۶

عبدالملک بن مروان

۶۵ھ تا ۸۶ھ مطابق ۶۸۶ء تا ۷۰۶ء

مروان کے بعد اس کا لڑکا عبدالملک ۶۵ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۲۶ھ میں پیدا ہوا۔ اور عمر کے پہلے ۲۹ برس اس نے مدینہ میں ہی گزارے۔ سرزمینِ حجاز اس وقت علم و عرفان کی دولت سے مالامال تھی۔ ہر فن کے اربابِ علم و کمال یہاں موجود تھے۔ خصوصاً قرآن و علم حدیث میں تدریس کے لئے بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک نے علم و حکمت میں ان سب سے استفادہ کیا۔ خلعتِ علم و ہنر سے آراستہ ہونے کے علاوہ عبدالملک صاحبِ تدبیر، حوصلہ مند اور مستقل مزاج انسان تھا۔ جب اس نے تاج و تخت کو سنبھالا۔ تو اس وقت بنی امیہ بڑے پُر آشوب دور سے گزر رہے تھے۔ مملکت کے ہر گوشہ میں انقلاب و ابتری کا طوفان برپا تھا اور بیک وقت عبداللہ بن زبیر، خوارج۔ مختار ثقفی اور شیعانِ علیؓ سے اسے برسرِ پیکار ہونا تھا۔ صرف مصر و شام کا علاقہ ایسا تھا جو عبدالملک کی وفاداری کا دم بھرتا تھا۔ باقی دنیائے عرب پر

www.pdfbooksfree.pk

یا ابنِ زبیر قابض تھا یا پھر طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا عبدالملک نے جس بیدار مغزی سے ان نا مساعد حالات پر قابو حاصل کیا۔ وہ اسلامی تاریخ میں بے مثل ہے اور اس وجہ سے اسے خاندانِ بنی امیہ کے کامیاب حکمرانوں میں بڑا ارفع مقام دیا جاتا ہے۔

مختارِ ثقفی کا خروج

سنہ ۶۶ھ میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے خونِ امام حسینؓ کے انتقام کا نعرہ بلند کیا اور عراق پر قابض ہوگیا۔ مختار اگرچہ نجیب الاصل نہ تھا۔ مگر نہایت عاقبت اندیش، ہوشیار اور چالاک آدمی تھا۔ اس نے بنی امیہ کے خلاف ہر طریق سے اپنے تعلقات وابستہ کرنے کی کوشش کی۔ اپنی تحریک کو مذہبی رنگ دینے کے لئے اُس نے حضرتِ امام حسین کے جانشین حضرتِ امام زین العابدین سے اپنی تحریک کی قیادت کے لئے کہا، مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اس کے بعد اس نے عبداللہ بن زبیر سے بھی ظاہری طور پر تعلقات خوشگوار رکھے اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب اس نے اپنے آپ کو توابین کا پیشوا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ جب مختار کو حضرت زین العابدین سے کوئی مدد نہ مل سکی تو اس نے تحریکِ اہلِ بیت کو آلِ فاطمہؓ کے نام سے ہٹا کر محمد بن حنفیہ کی طرف پھیر دیا اور ان کو حضرتِ علیؓ کا صحیح جانشین سمجھ کر اپنے پیروکاروں کو ان کے گرد جمع کرنا شروع کر دیا۔ مختار کی پشت پناہ پر زیادہ تر عجمی لوگ تھے۔ عربوں میں اس کی تحریک مقبولیت حاصل نہ کر سکی اس لئے مختار نے اقتدار حاصل کرتے ہی عجمیوں کو بیش بہا انعامات سے نوازنا شروع کیا۔ آخر وہ اپنی جمعیت لے کر نکلا اور عربوں کے ساتھ مقابلہ میں اسے فتح ہوئی اُس نے سب قیدیوں کو قتل کروا دیا اور اس

بعد کوفہ کے بہت سے نجیب و شریف لوگوں کو بھی قتل کروا دیا۔

مختار کا خاتمہ

عبداللہ بن زبیر نے جب عربوں کی اس قدر تذلیل دیکھی تو اس نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو نامزد کیا کہ وہ مختار کے فتنہ کو ختم کرے۔ مصعب افواج لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہُوا۔ راستہ میں مختار کے سپہ سالار احمد بن سلیط سے مقابلہ ہُوا۔ احمد بن سلیط اگرچہ بہادر تھا۔ مگر مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور فرار ہو گیا۔ مصعب نے مختار کی فوجوں کا تعاقب کیا۔ مختار کوفہ کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ بالآخر چار ماہ کے مسلسل محاصرہ کے بعد مختار قلعہ سے باہر نکلا اور میدانِ جنگ میں لڑتا ہُوا مارا گیا۔ اس کی فوجوں کو شکستِ فاش ہوئی اور اس طرح یہ مختاری فتنہ ختم ہو گیا۔

عبداللہ بن زبیر

عبداللہ بن زبیر مشہور صحابی اور رسولِ اکرمؐ کے پھوپھیرے بھائی تھے۔ ان کی والدہ محترمہ کا نام حضرت اسما تھا۔ جو حضرتِ ابوبکرؓ صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپ سنہ ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور سات سال کی عمر میں رسولؐ خدا کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بچپن ہی میں وہ اپنی شجاعت اور ذہانت کے لئے مشہور ہو گئے تھے۔ اور جب سنِ شعور کو پہنچ گئے تو ان کے اوصافِ حمیدہ اور اولعزمی کا ہر جگہ چرچا تھا اس کے بعد وہ تقریباً ہر لڑائی میں شریک رہے ابن اثیر سے روایت ہے کہ طرابلس کا علاقہ انہی کی کوشش سے فتح ہُوا اور جنگِ جمل میں وہ اپنی خالہ حضرتِ عائشہؓ کی حمایت میں بڑی شجاعت کے ساتھ لڑے۔

ابن زبیرؓ کی خلافت

یزید بن معاویہ کی زندگی میں ہی

www.pdfbooksfree.pk

ابنِ زبیر نے سرزمینِ حجاز میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ اور یہاں کی اکثریت نے ان کے ہاتھ پہ بیعت کر لی تھی۔ یزید کی وفات کے بعد ملک میں جو ابتری رونما ہوئی اس نے ابنِ زبیر کے ہاتھ اور بھی مضبوط کر دیے اور عراق، شام اور مصر کے صوبے بھی ان کے قبضۂ اقتدار میں آ گئے۔ مگر عبد الملک کے والد مروان بن حکم کے عہدِ حکومت میں بنی امیہ نے دوبارہ مصر و شام پہ قبضہ کر لیا اور ابن زبیر کی خلافت صرف سرزمینِ حجاز تک محدود ہو کر رہ گئی۔

ابنِ زبیر و عبد الملک مختار کے خاتمہ کے بعد عبد الملک کو پہلی بار یہ موقع ملا کہ وہ اپنی تمام توجہ عبد اللہؓ ابن زبیر کی طرف مبذول کرے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ جب تک عبد اللہؓ ابن زبیر خلافت کے دعویدار کی حیثیت سے موجود ہے۔ وہ بنی امیہ کے کھوئے ہوئے وقار کو قائم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے سنہ ۷۲ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک لشکر دے کر ابن زبیر کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ابن زبیر نے اپنے آپ کو حرم میں قلعہ بند کر لیا۔ حجاج نے مکّہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ محاصرہ کئی مہینوں تک جاری رہا اور مسلسل سنگ باری سے خانۂ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ ابن زبیرؓ استقلال اور دلیری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے مگر بالآخر جب حجاج نے آمد و رفت کے تمام ذرائع منقطع کر دئے۔ شہر میں قحط رونما ہو گیا اور اہلِ مکّہ پہ پریشانی اور تباہ حالی محیط ہونے لگی تو آخر کار ابنِ زبیرؓ نے اپنی والدہ محترمہ حضرتِ اسما کے کہنے پر قلعہ بندی ترک کر دی میدان میں نکل آئے اور اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ انتہائی

شجاعت اور دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حجاج نے لاش سولی پر لٹکا دی۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۷۲ برس کی تھی اور مدتِ خلافت ۹ برس۔

ابن زبیر تھوڑے عرصہ کے لئے پوری اسلامی دُنیا پہ حکمران تھے اور سات برس تک متواتر انہوں نے سرزمینِ حجاز پر حکمرانی کی۔ اس قلیل مدت میں انہیں اطمینان کے لمحات بہت کم نصیب ہوئے۔ اکثر نا مساعد حالات سے بر سرِ پیکار رہے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے چند یادگار کارنامے سرانجام دئے جن میں تعمیر کعبہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ آنحضرت صلعم کی نبوت سے کچھ عرصہ پیشتر قریش نے کعبہ کی تعمیر کا کام شروع کیا تھا۔ مگر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کے کچھ حصّے نامکمل رہے۔ بنی امیہ اور ابنِ زبیر کی ہنگامہ آرائیوں میں عمارت کو اور نقصان پہنچا۔ ابنِ زبیر نے بڑی محنت سے خانہ کعبہ کی عمارت کو از سرِ نو تعمیر کیا۔

اخلاق و فضل و کمال ابن زبیر کی تربیت میں ان کی خالہ حضرتِ عائشہؓ کا بہت ہاتھ تھا۔ اس لئے وہ اپنے ہم عصروں میں اپنی علمیت، تدبّر اور فراست میں بہت ممتاز تھے۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ زہد و تقوےٰ میں بھی یکتا تھے عبادت گزاری اور پرہیزگاری اُن کا خاص شیوہ تھا۔ خیرات اور حق گوئی کی یہ حالت تھی کہ ساری عمر انہوں نے یزید کی بدعت کو قبول نہ کیا۔ اور ہر قسم کی مشکلات کے باوجود بنی امیہ کی غیر شرعی حکومت سے بر سرِ پیکار رہے۔

خوارج کی انقلاب انگیزی خارجی ویسے تو ہر اس مسلمان

www.pdfbooksfree.pk

کے مخالف تھے جو ان کے عقائد پر عمل نہ کرتا تھا۔ مگر بنی امیہ سے اُن کی خاص دیرینہ دشمنی تھی۔ عراق و فارس ان شورشوں کے مرکز تھے۔ ابن زبیر کی شکست کے بعد جب یہ علاقے عبدالملک کے قبضے میں آ گئے تو خارجیوں نے اپنی مخالفت کا رُخ بھی عبدالملک کی طرف پھیر دیا۔ انہوں نے عبدالملک کی کئی فوجوں کو شکست بھی دی چنانچہ ۷۳ھ میں جب خالد بن عبداللہ حاکم کوفہ نے مہلب کو خوارج کے مقابلہ سے ہٹا کر اپنے بھائی عبدالعزیز کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا تو شاہی افواج کو خارجیوں کے ہاتھ سے شکست فاش اُٹھانی پڑی۔ نیز اس شکست میں عراقی لوگوں کا بھی بہت ہاتھ تھا۔ وہ اکثر شاہی افواج سے غداری کر جاتے۔ عبدالملک کو جب اس امر سے آگاہی ہوئی تو اس نے ایک سخت گیر حاکم کی ضرورت محسوس کی جو خارجیوں اور عراقیوں دونوں کو قرارِ واقعی سزا دے سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے حجاج بن یوسف کو منتخب کیا۔ حجاج نے عہدہ کا چارج لیتے ہی صوبے کے نظام میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ لوگوں کو اپنی شعلہ بیانی سے مرعوب کیا اور انہیں تنبیہہ کی کہ غدار کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ جب اندرونِ ملک کے حالات سے اس کی تسلی ہو گئی تو وہ خوارج کی طرف متوجہ ہُوا۔ خوارج کی قیادت اس وقت شبیب نامی شخص کے ہاتھ میں تھی۔ شبیب میں ایک جری سپاہی اور بیدار مغز قائد کے پورے خواص موجود تھے۔ مگر حجاج کی چالوں کے سامنے بے بس ہو گیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد وہ پہلی بار زندگی میں میدان سے بھاگا۔ راستہ میں ایک دریا کو عبور کرتے وقت وہ گھوڑے سمیت ڈوب گیا۔ شبیب کے خاتمہ کے بعد خوارج کا زور کچھ عرصہ کے لئے بالکل ٹوٹ گیا لیکن کرمان کے علاقہ میں ان کی ایک شاخ جو نافع بن ارزق کی

نسبت سے ازارقہ کہلاتی تھی، برابر ہنگامہ آرائی میں مصروف رہی۔ حجاج ان کی طرف بھی متوجہ ہُوا۔ اس نے مہلب بن ابی صفرہ کو افواج دے کر ان کے استیصال کے لئے بھیجا۔ اس وقت ازارقہ کا سردار قطری بن فجاۃ تھا۔ دونوں میں بڑی ہولناک جنگ ہوئی۔ جس میں مہلب مارا گیا۔ اس کے بعد حجاج نے سفیان بن ابرا کو قطری کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس دفعہ قطری کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے بھاگ نکلا مگر شاہی افواج نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ قطری کے بعد خوارج کی قوت ختم ہو گئی اور عبدالملک کی حکومت کو باقی ماندہ عرصہ کے لئے ان کے خطرات سے نجات مل گئی۔

افریقی مہمات

یزید کے عہدِ حکومت میں کسیلہ بن کمری نامی ایک بربری نے مسلمانوں کے اندرونی انتشار سے فائدہ اُٹھا کر شمالی افریقہ کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا تھا۔ یزید کی وفات کے بعد بنی امیہ کچھ اس طرح اندرونی سیاست میں گرفتار رہے کہ افریقہ کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکے۔ عبدالملک کو جب دوسرے کاموں سے فرصت ملی تو اس نے پھر اس طرف توجہ کی۔ ۶۹ھ میں اس نے زہیر بن قیس کو جو افریقہ کی سرزمین سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ اس طرف بھیجا۔ کسیلہ اس وقت قیروان میں موجود تھا۔ بڑے زور کا مقابلہ ہُوا جس میں کسیلہ کو شکست فاش ہوئی۔ مگر زہیر ابھی فارغ ہی ہُوا تھا کہ رومیوں نے برقہ پر حملہ کر کے زہیر کو شہید کر دیا۔ عبدالملک کو زہیر کی شہادت کا بہت افسوس ہُوا۔ ۷۴ھ میں اس نے پھر حسان بن نعمان کو چالیس ہزار فوج دے کر بھیجا۔ مگر حسان بن نعمان کو بھی شکست فاش اٹھانی پڑی۔ بالآخر ۷۸ھ میں عبدالملک نے حسان بن نعمان کو دوبارہ فوج دیکر

www.pdfbooksfree.pk